بفیضانِ نظر: مفتی تقدس علی خاں رحمۃ اللہ علیہ * پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ * علامہ شمس الحسن شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

بانیِ ادارہ: مولانا سید محمد ریاست علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

محسنِ ادارہ: الحاج شفیع محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

ISBN 978-969-9266-04-1

مفکرِ اسلام امام احمد رضا حنفی کے اصلاحی و تحقیقی افکار کا ترجمان

ماہنامہ معارفِ رضا کراچی

جلد: 31 شمارہ: 11

نومبر ۲۰۱۱ء / ذی الحج ۱۴۳۲ھ

مدیرِ اعلیٰ: صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

مدیر: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

نائب مدیر: پروفیسر دلاور خاں

حُسنِ ترتیب

ہدیہ فی شمارہ: 40 روپے
سالانہ: عام ڈاک سے: -/400 روپے
رجسٹرڈ ڈاک سے: -/800 روپے
بیرونِ ممالک: 40 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ: رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214-حبیب بینک لمیٹڈ پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

25- جاپان مینشن، ریگل، صدر، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔
فون: 32725150-21-92+ فیکس: 32732369-21-92+
ای میل: imamahmadraza@gmail.com
ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار / مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ﴿ادارہ﴾

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

اپنی بات: تحفظِ ناموسِ رسالت

پروفیسر دلاور خاں

جس کلمہ گو کے دل میں مصطفیٰ کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ قلبی تعلق اور ناموسِ رسالت ﷺ پر مر مٹنے کا حقیقی جذبہ نہ ہو وہ ایمان کی حلاوت نہیں پا سکتا؛ نہ ہی کامل ایمان کے درجے پر فائز ہو سکتا ہے اور نہ ہی از روئے قرآن اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں محبتِ رسول ﷺ ایمان کی روح ہے اور اس کے بغیر جملہ اعمال بے جان ڈھانچہ ہیں۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے سچ کہا ہے:

مغزِ قرآن روحِ ایماں جانِ دیں
ہست حبِ رحمۃ للعالمین

تاریخ شاہد ہے کہ محبتِ رسول ﷺ کے قدرتی اور فطری نتیجے میں ایک محبِ رسول ﷺ کے لئے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنا اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام پر چلنا آسان ہو جاتا ہے؛ بلکہ اس راہ میں جانِ عزیز تک دینے میں وہ ایک لذت محسوس کرتا ہے۔ مصطفیٰ کریم ﷺ کے ہر دشمن، ہر مخالف اور ہر خطرے کا دفاع حقیقی محبت کا ایک لازمی اور فطری تقاضا ہے حضور ﷺ کی حرمت پامال ہو، اُن کی عزت پر حرف آئے اور دل کے کسی کونے میں غیرتِ ایمانی میں جنبش نہ ہو آقا کریم ﷺ کی ذات کی طرف بڑھنے والے ہاتھ کو توڑ دینے اور گستاخ کی زبان کو گدی سے کھینچ لینے کی اپنی سی کوشش نہ کرے تو اُسے محبتِ رسول ﷺ کا دعویٰ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ آپ کی عزت و ناموس کا تحفظ اہلِ اسلام کا شرعی فرض ہے۔ تحفظ ناموسِ رسالت کے پروانے صحابہ کرام اِس فرض کی ادائیگی سے کس طرح غافل رہ سکتے تھے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرام نے تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ کے معاملے میں جس ایمانی حمیت اور غیرت کا مظاہرہ کیا اُس کی مثال ملنا ناممکن ہے۔ کوئی بڑی گستاخی تو در کنار، اُن سے معمولی اور ادنیٰ گستاخانہ حرکت بلکہ گستاخی نما الفاظ بھی برداشت نہیں ہوتے تھے۔ تحفظِ ناموسِ رسالت کی چند تابانیاں ملاحظہ ہوں۔

ایک نابینا صحابی کی بیوی حضور اکرم ﷺ کی ہجو کیا کرتی تھی؛ اُس صحابی نے اپنی بیوی کو اِس جرم میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مقدمہ حضور ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا؛ حضرت صحابی نے اِس کا اعترافِ قتل کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: گواہ رہو "ان دمها هدر" اِس عورت کا خون رائیگاں گیا(اس کے خون کے قصاص یا دیت کا مطالبہ باقی نہیں رہا؛ کیوں کہ وہ اپنے جرم کے باعث واجب القتل ہو گئی تھی)۔ قاضی عیاض نے اپنی کتاب "الشفا" میں ایسے کئی افراد کا ذکر کیا جس میں کعب بن اشرف ابورافع، ابنِ خطل نصر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ گستاخیِ رسول کے مرتکب ہوئے اور انہیں دورِ رسالت ہی میں کیفرِ کردار تک پہنچا دیا گیا۔ خلفائے راشدین کے دورِ حکومت میں گستاخانِ رسول کی سزا موت متعین تھی۔ فقہائے احناف، شوافع، حنابلہ اور مالکی کے نزدیک گستاخِ رسول کی سزا موت مقرر رہے۔

جب تک ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم رہی توہین رسالت کی سزا موت پر عمل درآمد ہوتا رہا۔ اکبر بادشاہ کے دورِ حکومت میں ایک مالدار برہمن نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو اِس پر شیخ عبدالغنی (قاضی القضاء) نے اُسے طلب کیا لیکن اُس نے آنے سے انکار کر دیا، جس پر اکبر بادشاہ نے اُسے بیر بل اور شیخ ابوالفضل کے ذریعے بلوایا۔ وہ اُسے لے آئے، شیخ ابو الفضل نے جو کچھ گواہوں سے سنا تھا بیان کر دیا اور کہا کہ اِس بات کی تحقیق ہو گئی ہے کہ اِس برہمن نے گالیاں دی تھیں۔ شیخ عبدالغنی نے بادشاہ سے اُس کے قتل پر اصرار کیا۔ بادشاہ نے جواب دیا: جو مناسب جانو کرو(کیوں کہ یہ معاملہ شرعی ہے) اِس کے بعد شیخ نے فوراً اُس برہمن کے قتل کا حکم دے دیا۔ اِس حکم کی تعمیل میں اُس کی گردن مار دی گئی۔ ۱۷۳۴ء میں حقیقت رائے نے جب حضورِ اکرم ﷺ اور

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کی تو اِس جرم پر حقیقت رائے کو گرفتار کرکے لاہور کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ہندو افسران اُس وقت کے گورنر لاہور زکریا خاں کے پاس پہنچے کہ حقیقت رائے کو معاف کر دیا جائے۔لیکن زکریا خاں نے اُن لوگوں کی سفارش نہیں سنی اور سزائے موت کے حکم پر نظرِ ثانی کرنے سے انکار کردیا۔پہلے تو مجرم کو ایک ستون سے باندھ کر اُسے کوڑوں کی سزادی، اِس کے بعد اُس کی گردن اڑادی گئی۔(ناموسِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور قانونِ توہینِ رسالت، ص:۳۲۲،۳۲۰)

سلطنتِ مغلیہ کے سقوط کے بعد ۱۸۶۰ء میں انگریز حکومت نے ہندوستان میں قانونِ توہینِ رسالت کو منسوخ کردیا اور گورنر جنرل ہند کی منظوری سے تعزیراتِ کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں جب راجپال نے ''رنگیلا رسول''کتاب کی اشاعت کی تو مسلمانوں میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس کتاب کو فوراً ضبط کیا جائے اور اِس کے ناشر کو سخت سزا دی جائے۔جس پر راج پال کے خلاف فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے جرم میں مقدمہ چلایا گیا۔ لاہور کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ملزم کو چھ ماہ قید کی سزادی۔ اِس سزا کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی جسٹس کنور دلیپ سنگھ نے ۱۹۲۷ء میں راج پال کو بری کرتے ہوئے تحریر کیا کہ کتاب کی عبارت کتنی ہی ناخشگوار کیوں نہ ہو، اِس سے بہر حال کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ اِس فیصلے کے خلاف اور تعزیرات ہند میں توہین رسالت کے جرم پر کوئی سزا نہ ہونے کی وجہ سے سارے ملک میں مسلمانوں نے ہر پلیٹ فارم سے سخت احتجاج کیا۔ ۱۹۲۷ء میں مولانا محمد علی جوہر کی تحریک پر مسلمان اراکین مرکزی قانون ساز اسمبلی کی تائید سے تعزیراتِ ہند میں دفعہ ۲۹۵ الف کا اضافہ کیا گیا، جس کی رو سے: ''جو کوئی عمداً اور بدنیتی سے تحریری یا تقریری یا علانیہ طور پر ہر میجسٹی کی رعایا کی کسی جماعت کے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کرے یا توہین کی کوشش کرے تاکہ اُس جماعت کے مذہبی جذبات مشتعل ہوں تو اُسے دو سال تک قید یا جرمانے یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔''اِس دفعہ میں بھی واضح طور پر توہینِ رسالت کی سزا کا کوئی ذکر نہیں۔ اور بالآخر غازی علم الدین رحمۃ اللہ علیہ نے گستاخِ رسول راج پال کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اِس مقدمے کی پیروی دیگر وکلاء کے ساتھ بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔غازی علم الدین رحمۃ اللہ علیہ ۲۷ نومبر ۱۹۲۹ء کو خود جامِ شہادت نوش کرکے زندۂ جاوید بن گئے۔ع

''بڑھتا ہے ذوقِ جرم ہر سزا کے بعد۔''

زندہ ہوجاتے ہیں جو مرتے ہیں اُن کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کردیا

نمازِ جنازہ کے انتظامات علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے کیے۔ نمازِ جنازہ خلیفۂ اعلیٰ حضرت، مولانا سید دیدار علی شاہ(بانی دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور) نے پڑھائی۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بننے کے بعد انڈین پینل کوڈ ۱۸۶۰ء کو ہی پاکستان پینل کوڈ کے طور پر اختیار کیا گیا۔ ۲۳مارچ ۱۹۵۶ء دفعہ ۲۹۵الف میں سے صرف'' ہر میجسٹی کی رعایا'' کے الفاظ کو حذف کرکے ''پاکستان کے شہریوں'' کے الفاظ کا اضافہ کیا گیا۔ ۱۸۶۰ء سے ۱۹۸۵ء تک تحفظِ ناموسِ رسالت کا قانون منسوخ رہا۔ ۱۹۸۶ء میں قومی اسمبلی کے اراکین میں مریدِ امامِ سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت الشیخ احمد رضا خاں، علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری، خلیفۂ فرزندِ اعلیٰ حضرت ،علامہ سید شاہ تراب الحق قادری، حاجی محمد حنیف طیب، محترمہ نثار فاطمہ، محترمہ قمرالنساء قمر اور دیگر کی کاوشوں سے محمد خاں جونیجو کی حکومت میں فوج داری قانون(ترمیمی) ایکٹ منظور ہوا، جس میں پہلی بار تحفّظِ ناموسِ رسالت کے بارے میں تعزیراتِ پاکستان میں دفعہ ۲۹۵سی کا اضافہ ہوا جو حسبِ ذیل ہے''جو کوئی عمداً زبانی یا تحریری طور پر یا بطور طعنہ زنی یا بہتان تراشی بالواسطہ یا بلاواسطہ، اشارتاً یا کنایتاً،نامِ محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کی توہین یا تنقیص یا بے حرمتی کرے، وہ سزائے موت یا عمر قید کا مستوجب ہوگا اور اسے جرمانے کی بھی سزا دی جائے گی۔''

تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵سی میں سزائے موت کے متبادل''عمر قید کی سزا''اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ علمائے سوادِ اعظم اہلِ سنت و دیگر نے تعزیرات پاکستان سے اِسے حذوف کرنے کا مطالبہ کیا۔ علمائے اہلِ سنت و جماعت ،مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا محمد حسین نعیمی(لاہور)، پیر سید اعجاز شاہ، ملک اکبر ساقی، و دیگر نے فیڈرل شریعت کورٹ میں مقدمے کی پیروی کا اختیار ایڈووکیٹ اسماعیل قریشی کو تفویض کیا۔ عدالتِ ہٰذا نے اِس مقدمے کی سماعت

کے لیے علمائے کرام سے معاونت طلب کی۔ علمائے کرام میں سے حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی، مفتی غلام سرور قادری (لاہور)، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری و دیگر نے وفاقی شرعی عدالت کی معاونت کی۔ تمام علما نے متفقہ طور پر موقف اختیار کیا کہ گستاخِ رسول کی عمر قید کی سزا غیر اسلامی ہے اور گستاخ رسول کی سزا صرف موت ہے۔ اِس موقف کی تائید پنجاب حکومت کے نمائندے اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل نذیر احمد غازی نے کی۔ وفاقی شرعی عدالت کے جسٹس گل محمد خاں چیف جسٹس، جسٹس عبد الکریم خاں کنڈی، جسٹس عبادت یار خان، جسٹس عبدالرزاق اے تھہیم، جسٹس فدا محمد خان، نے مکمل سماعت کے بعد فیصلہ صادر کیا اور صدرِ پاکستان کو ارسال کر دیا کہ ۲۹۵۔ سی تعزیرات پاکستان میں ترمیم کر کے "عمر قید" کے الفاظ کو ۳۰/اپریل ۱۹۹۱ء تک اِس دفعہ سے حذف کر دیے جائیں؛ ورنہ اِس تاریخ سے "عمر قید" کے الفاظ غیر موثر ہو جائیں گے۔ اِس فیصلے میں مزید کہا گیا کہ اس دفعہ میں ایک اور شق کا اضافہ کیا جائے، جس کی رو سے دوسرے پیغمبروں کی اہانت کی سزا بھی سزائے موت ہو۔ اِس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی گئی جسے عوام کے دباؤ کے بعد واپس لے لیا گیا۔ اِس طرح وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ بحال رہا جس کی وجہ سے "عمر قید" کے الفاظ آئین، قانون اور فیصلے کے مطابق ۲۹۵۔ سی سے حذف ہو کر "عمر قید" کی سزا غیر موثر ہو چکی ہے اور اب پاکستان میں اہانتِ رسول کی سزا بحمدہ تعالیٰ بطورِ حد مقرر ہو کر نافذ العمل ہے۔

۱۔ توہینِ شانِ رسالت کی مقرر کردہ سزا موت ہے۔

۲۔ چودہ سو سال سے اِس کی سزا پر عالمگیر اسلامی معاشرے میں اجماع ہے۔

۳۔ توہین رسالت کی سزا "موت" پر تمام مکاتبِ فکر میں وحدت پائی جاتی ہے۔

۴۔ امتناعِ توہینِ رسالت کا قانون کسی فرد یا پارلیمنٹ کا بنایا ہوا نہیں۔

۵۔ یہ قانون چودہ سو سال پہلے موجود تھا، البتہ پاکستان کی پارلیمنٹ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اُس نے اِس قانون کو تعزیراتِ پاکستان میں صرف شامل کیا۔

۶۔ توہین رسالت کی سزا معاف کرنے کا حق پوری امّت کو بھی حاصل نہیں۔

۷۔ توہینِ رسالت کے مرتکب مرد اور عورت کی سزا میں کوئی فرق نہیں۔

۸۔ ۱۹۹۴ء میں لاہور ہائی کورٹ کا فل بینچ اس بات کا فیصلہ کر چکا ہے کہ امتناعِ توہینِ رسالت کا قانون انسانی حقوق سے متصادم نہیں۔

۹۔ وفاقی شرعی عدالت نے توہینِ رسالت کی سزا صرف موت مقرر کی۔

۱۰۔ ۱۹۸۶ء سے لے کر تا حال مختلف سیاسی حکمران جماعتوں نے اِس قانون کو تحفظ فراہم کیا۔

۱۱۔ مختلف سیاسی جماعتوں کے اراکین پارلیمنٹ اور پیپلز پارٹی کی حکومت نے متفقہ اٹھارھویں آئینی ترمیم میں امتناعِ توہینِ رسالت کے قانون کو تحفظ فراہم کیا ہے۔

۱۲۔ یہ قانون ڈیڑھ ارب مسلمانوں اور بالخصوص پاکستان کے کروڑوں عاشقانِ رسول ﷺ کے جذبات و عقائد کی ترجمانی کرتا ہے۔

۱۳۔ گستاخِ رسول کی حمایت اور حوصلہ افزائی کرنا بھی گستاخیِ رسول ہے، جس کی سزا موت ہے۔

اسباب و محرکات:

۸ نومبر ۲۰۱۰ء کو سیشن کورٹ نے آسیہ مسیح کے مقدمے کی مکمل سماعت کے بعد گستاخیِ رسول ثابت ہونے پر اُسے ازروئے تعزیراتِ پاکستان دفعہ ۲۹۵سی کے تحت سزائے موت کا فیصلہ سنایا۔ ۲۰ نومبر کو گورنر پنجاب نے آسیہ مسیح کے ساتھ پریس کانفرنس کی اور اِن امور کے مرتکب ہوئے:

۱۔ گورنر پنجاب نے عدالتی فیصلے کی توہین کی اور اُسے ظالمانہ فیصلہ قرار دیا۔

۲۔ شرعی عدالت کے فیصلے کی توہین کی، جس نے توہینِ رسالت کی سزا موت مقرر کی۔

۳۔ پارلیمنٹ کی توہین کی، جس نے توہینِ رسالت کی سزا موت اور عمر قید مقرر کی۔

۴۔ کروڑوں عوام کے منتخب اراکین پارلیمنٹ کی توہین کی جنھوں نے یہ قانون پاس کیا تھا۔

۵۔ مختلف سیاسی جماعتوں کے موجودہ اراکین پارلیمنٹ کی توہین کی جنہوں نے اٹھارھویں آئینی ترمیم میں امتناعِ توہینِ رسالت کے قانون کو تحفظ فراہم کیا۔
۶۔ توہینِ رسالت کے قانون کو "کالا قانون" کہہ کر براہِ راست قانونِ امتناعِ توہینِ رسالت کی توہین کی۔
۷۔ دنیابھر کے اربوں مسلمانوں کی دل آزاری کی۔
۸۔ جمہوریت پسند اور روشن خیال گورنر نے بد ترین دورِ آمریت کو بھی شرمادیا کہ جیل میں خود عدالت لگائی، خود جج کے منصب پر فائز ہوئے، خود وکالت کی اور خود فیصلہ صادر فرمادیا کہ "آسیہ مسیح بے گناہ ہے"۔
۹۔ اپنے آئینی منصب کا ناجائز استعمال کیا۔
۱۰۔ صوبائی آئینی سربراہ ہوتے ہوئے قانون کو ہاتھ میں لیا۔
۱۱۔ عدالتی عمل کی تکمیل سے پہلے ہی یہ امید ظاہر کردی کہ صدرِ پاکستان توہینِ رسالت کی مرتکب سزا یافتہ مجرمہ کو معاف کردیں گے۔
۱۲۔ عدالت سے توہینِ رسالت کی مرتکب سزایافتہ کے ساتھ غیر قانونی اور غیر اسلامی، ہمدردی اور معاونت کی گئی۔
۱۳۔ توہینِ رسالت کرنے والی کی حوصلہ افزائی کی گئی۔
۱۴۔ حضورِ اکرم ﷺ، صحابہ کرام، اہلِ بیتِ اطہار، تابعین اور فقہا کے فیصلوں کی توہین کی گئی، جنہوں نے توہین رسالت کی سزا موت مقرر کی ہے۔
۱۵۔ اس ذاتِ مقدسہ ﷺ کی مجرمہ کی حمایت کی گئی جن کی بات (حدیث) کو دستورِ پاکستاں میں سپریم لاء تسلیم کیا گیاہے۔
۱۶۔ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵۔الف کاارتکاب کیا۔
۱۷۔ بے گناہی کو عدالت میں کیوں ثابت نہیں کیا گیا۔
۱۸۔ دادرسی کے لیے عدالت سے کیوں رجوع نہیں کیا گیا۔
۱۹۔ گورنر پنجاب نے اپنے آئینی حلف سے انحراف کیا۔
۲۰۔ جمہور کے جذبات کو بھڑکایا۔
۲۱۔ کروڑوں مسلمانوں کے عقائد وجذبات پر نشتر زنی کی گئی مگر:
ا۔ کسی مقتدر شخصیت نے گورنر پنجاب کی سرزنش نہیں کی۔
۲۔ گورنر کے بیان پر سرکاری سطح پر مذمت نہیں کی گئی۔
۳۔ گورنر سے استعفا بھی طلب نہیں کیا گیا۔
۴۔ گورنر کو اِس قسم کے بیانات دینے سے روکا بھی نہیں گیا۔
۵۔ ناہی گورنر کے بیان سے لاتعلقی کا اظہار کیا گیا۔
۶۔ جمہور کے عقائد کو مجروح کرنے اور جذبات کو بھڑکانے پر گورنر کو معافی مانگنے کے لئے بھی نہیں کہا گیا۔

اِس بے چین اور دل خراش صورتِ حال میں ایک عام پاکستانی شہری سوال کرتا ہے: کیا اِن تمام مضطرب کیفیات کو قانونی تحفظ حاصل ہے؟ کیا گورنر پنجاب آئینِ پاکستان کے آرٹیکل ۶۳، ۶۲ میں دی گئی سیاسی اہلیت کے حامل نہیں رہے؟ یا ریاستی ادارے کسی بڑے حادثے کے نمودار ہونے کے منتظر تھے؟ اگر ایسا ہے تو اِس مجرمانہ غفلت کا ذمّہ دار کون ہے؟ اور اِن اسباب و محرکات اور علل کے زیرِ اثر اگر کوئی حادثہ رونما ہو تو اُس کا قصور وار اور ذمّے دار کون ہوگا؟
الف۔ وہ لوگ یا ادارے جو اِس حادثے کی علت بنے۔
ب۔ وہ لوگ جنہوں نے اِس علت کے زیرِ اثر ردِّ عمل کا اظہار کیا۔
سلمان تاثیر کا قتل ہوا تو اِس کی کوئی علت تھی؟ یقیناً اِس کی علت ہی نہیں، بلکہ وجہ کافی علت تھی۔ وہ یہ ہے:
ا۔ امتناعِ توہینِ رسالت کے قانون کو کالا قانون کہا۔
۲۔ گستاخِ رسول ﷺ کی حوصلہ افزائی اور حمایت کی۔
۳۔ ریاستی اداروں کی ناکامی۔
یہ "وجہ کافی علت" نہ ہوتی تو یقیناً اُس کا قتل نہیں ہوتا یعنی جب علت نہیں تو اس کا اثر (قتل) بھی نہیں ہوتا۔ یہ ریاستی اداروں کی ذمے داری ہے کہ وہ کتنے فیصد قصوروار:
الف۔ عمل کرنے والے۔
ب۔ علّتِ قتل پیدا کرنے والے۔
ج۔ سببِ قتل مہیا کرنے والے کو ٹھہراتے ہیں۔
اور کتنے فیصد قصوروار:
الف۔ ردِ عمل کا اظہار کرنے والے۔
ب۔ اثر (معلول) بننے والے۔
ج۔ مسبب بننے والے کو ٹھہراتے ہیں؟
اِس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار ممکن نہیں کہ۔

مگس کو باغ میں مت جانے نہ دیجیو
کہ نا حق خون پروانے کا خون ہوگا

ردِ عمل:

سوادِ اعظم اہلِ سنّت و جماعت نے ۲۰ نومبر ۲۰۱۰ءسے ۳ جنوری ۲۰۱۱ء تک آئین و قانون کی عمل داری کے لیے تمام مہذب اور جمہوری طور طریقے اختیار کیے اِس تناظر میں سوادِ اعظم اہلسنت وجماعت کی روح میں بے چینی اور اضطرابی کیفیات بلا جواز نہیں تھیں، اُنہوں نے اِس نازک مرحلے پر بھی اپنے جذبات کے اظہار کے لیے جمہوری اور مہذبی طریقے اختیار کیے، مثلاً:

۱۔ احتجاجی جلسے کیے، مگر بے اثر ہوئے۔

۲۔ سیمینارز کیے، مگر بے اثر ہوئے۔

۳۔ کانفرنسز کیں، مگر بے اثر ہوئی۔

۴۔ جمعہ کے خطبات میں احتجاج کیے مگر بے اثر ہوئے۔

۵۔ پر امن ریلیاں نکالی گئیں، مگر بے اثر ہوئیں۔

۶۔ پورے پاکستان میں پر امن ہڑتال کی گئی، مگر بے اثر ہوئی۔

۷۔ احتجاجی کالم اور مضامین لکھے گئے، مگر بے اثر ہوئے۔

۸۔ احتجاجی خطوط لکھے گئے، مگر بے اثر ہوئے۔

بھر پور کوشش کی کہ اِس فتنے کا سدِّباب پر امن قانونی دائرۂ کار میں ہو۔ آخری دم تک صبر و تحمل اور برداشت کے پیمانے لبریز ہونے کے باوجود قانون کو ہر گز ہاتھ میں نہیں لیا گیااور ماورائے قانون کے کسی بھی قسم کے انتہائی اقدام سے گریز کیا؛ لیکن عاشقانِ رسول ﷺ کے جذبات کے بند اُس وقت ٹوٹنا شروع ہوگئے، جب احتجاج کی تمام جمہوری تدابیر ناکام ہوئیں، مایوسی کی لہر گہری سے گہری ہوتی چلی گئی، کوئی بھی ریاستی ادارہ جمہور کی آواز، توقعات اور قانون کی عمل داری کے لیے تیار نہیں تھا۔ جب یہ سارے اسباب عاشقانِ رسول ﷺ پر بجلی کی طرح ٹوٹ کر پڑ رہے ہوں، روح کو چھلنی کیا جا رہا ہو۔ اُن کے لطیف جذبات کو پاؤں سے روندا جارہا ہو ۔ آئین و قانون کی دھجیاں بکھیری جارہی ہوں ، تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ کے عقیدے کا مذاق اڑایا جارہاہو اور ریاستی ادارے چپ سادھے ہوئے ہوں۔ اِن حالات، کیفیات، اسباب اور محرکات کو مدِّ نظر رکھ کر کسی ماہرِ نفسیات، عمرانیات اور جرمیات سے لے کر ایک عام شہری تک سے اِن اسباب و محرکات کے اثرات کا جائزہ لے لینے کے لیے کہیں تو تمام یک زبان اظہار کریں گے کہ اب کسی "سخت فطری ردِ عمل" کو طاقت کے ذریعے بھی نہیں روکا جاسکتا۔ آتش فشاں کے جب یہ اسباب ہوں اور ریاستی ادارے جمہور کے جذبات، نظریات و عقائد کے قانونی تحفظ میں ناکام ہوں، ایسی صورتِ حال میں قانون شکنی کو فخر سمجھا جاتا ہے ۔ تاریخ میں کتنے ہی ایسے عظیم افراد ملیں گے جنہوں نے بظاہر قانون شکنی کی مگر وہ قوم کے ہیرو قرار پائے۔

اسی طرح جب قائدِ اعظم کی تعبیرِ پاکستان سے انحراف کیا جارہا ہو جنہوں نے تحفظِ ناموسِ رسالت کے شیدائی کا مقدمہ لڑا ہو۔ علامہ اقبال نے جس کے جنازے کے انتظامات کیے ہوں سابق وزیرِ اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے تحفظ ختمِ نبوّت کا قانون پاس کیا ہو۔ اُسی پاکستان میں اِنہی شخصیات کے نام نہاد پیرو کار آج روشن خیالی کے نام پر گستاخِ رسول کی حوصلہ افزائی اور حمایت کر رہے ہوں۔ فضا گستاخِ رسول ﷺ کے زہر سے مسموم ہو تو عاشقانِ رسول کے لیے اِس فضا میں سانس لینا مشکل ہی نہیں، بلکہ نا ممکن بھی ہو جاتا ہے؛ اُن کے قلب و جگر گستاخِ رسول ﷺ کی حمایت سے دل خراش نشتر زنی کے متحمل نہیں۔اُن کے کان روز روز ٹی وی پر نئی نئی تاویلات سننے سے بے زار ہیں۔ اِس صورتِ حال میں کسی بھی عاشقِ رسول کی روح کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے نہیں روکا جاسکتا۔ جن کا وردِ زبان ہو۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

(اعلیٰ حضرت)

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو سکتا نہیں

چشمِ فلک نے وہ دن بھی دیکھا کہ جب عاشقانِ رسول کے لیے ان کی حیاتِ مستعار کو لوٹانے کا وقت آپہنچا اب اُن کے سر تن پر سجانے کے قابل نہیں رہے۔ کاروانِ عشق و محبتِ رسول ﷺ اور عاشقانِ و صادقاں کے امام سیدی ممتاز حسین قادری زید حیاتہ میدانِ تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ میں اپنی جان اور مستقبل کو داؤ پر لگا کر بے خطر کود پڑے، وہ صرف نام ہی کے ممتاز نہیں، بلکہ عاشقانِ رسول ﷺ میں بھی ممتاز ہیں جن کے اِس نعرے سے فضا معطر ہوئی کہ:

" آبروے ما زنامِ مصطفیٰ است۔"

پھر اُنہوں نے ایمانی غیرت سے سرشار ہو کر گستاخانِ رسول

کے حمایتی اور حوصلہ افزائی کرنے والے کو اُس کے غیر اسلامی اور غیر آئینی بیان کے ردِّ عمل میں موت کے گھاٹ اتار کر اُسے منطقی انجام سے دوچار کر دیا۔ اِس عمل میں بلا شرکت غیر خود کو ذمّے دار قرار دیا اور یہ کہتے ہوئے: "ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے؟" خود کو پر امن طور پر قانون کے حوالے کر دیا کہ قانون جو بھی فیصلہ کرے بسر و چشم قبول ہے۔

تازہ مرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب

اِس کے بعد سیدی امامِ عاشقاں کی حمایت میں کروڑو عاشقانِ رسول ﷺ نے جلسے منعقد کیے اور جلوس نکالے۔

بجھی ہوئی سی شمع کو تابندگی ملی
ملّت کو تیرے دم سے نئی زندگی ملی

یکم اکتوبر ۲۰۱۱ء کو انسدادِ دہشت گردی کی عدالت نے فیصلہ سنایا کہ ملزم نے واضح طور پر اعترافِ جرم کیا ہے؛ قتل گھناؤنا جرم ہے؛ اِس پر کسی بھی قسم کی رعایت نہیں برتی جا سکتی۔ اِس لیے جرم ثابت ہونے پر ۲ مرتبہ سزائے موت اور مجموعی طور پر ۲ لاکھ روپے جرمانے کی سزا سنائی۔ (روزنامہ ایکسپریس، کراچی، ۲ اکتوبر ۲۰۱۱ء)

عدالت نے اپنے فیصلے میں کہا: "یہ بات طے ہے کہ گستاخ رسول واجب القتل ہے اور اُس کی سزا موت ہے، اُس کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔ گستاخ رسول کو صرف اور صرف نبیِ اکرم ﷺ ہی معاف کرسکتے ہیں۔" (روز نامہ جنگ کراچی ۲ اکتوبر ۲۰۱۱ء) فیصلے کے وقت حضرت سیدی ممتاز حسین قادری خود موجود تھے۔ اُنہوں نے "غلامیِ رسول ﷺ میں موت بھی قبول ہے۔" کا پروانہ خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ فیصلے کے بعد جیل میں ملاقات کے وقت اُن کے والد نے بیٹے کو دیکھتے ہی تین بار اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور الحمدللہ کہتے ہوئے بیٹے کا ماتھا چوم کر گلے سے لگایا۔ حضرت ممتاز حسین قادری اِس موقع پر انتہائی خوش تھے اور اُنہوں نے اپنے والد کو عدالتی فیصلے پر مبارک باد دی، آپ نے کہا: "مجھے خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شہادت کے لئے چن لیا ہے۔"

حاصلِ عمر نثار رہِ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

(اپنی عمر کا حاصل اپنے محبوب آقا کی راہ میں نثار کر دیا۔ میں اپنی زندگی سے خوش ہوں کہ میں نے کوئی کام تو کیا)

اے حیاتِ عاشقاں در مردگی

(اے میرے آقا آپ کی محبت میں فنا ہونے والوں کو بھی زندگی ملتی ہے)

یک جاں چہ متاعیست کہ سازیم فدایت
اما چہ تواں کرد کہ موجود ہمیں است

(فقط ایک جان ہی تو ہے اسے آپ پر فدا کر دی، مگر افسوس کہ ہمارے پاس اِس جان کے سوا کچھ نہیں۔ بس یہی جان تو ہے)

عدالتی فیصلے میں تین بنیادی نکات ہیں:

الف۔ ملزم نے واضح طور پر اعترافِ جرم کیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عدالتی عمل اتنا سادہ ہے کہ اگر کوئی اعترافِ جرم کرے تو اُسے سزا دی جائے اور اِس کے برعکس جو انکارِ جرم کرے تو اُسے معصوم قرار دے کر بری کر دیا جائے۔ اِس طرح وکیل اور دیگر عدالتی لوازمات کی ضرورت نہیں رہی۔ اِس سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ ملزم جج کے کمرۂ عدالت میں عترافِ جرم کرے تو سزا کا مستحق اور انکارِ جرم کرے تو بری ہو جائے۔ اِس طرح عدالتیں ویران اور جیلیں چند دنوں میں خالی ہو جائیں گی اور معاشرے میں انارکی پھیلے گی، لیکن عدالتی عمل کی حقیقت اِس سے ماسوا ہے۔ آئے دن عدالت کے سامنے کئی اقبالی بیانات لائے جاتے ہیں کہ فلاں نے سو قتل کا اعتراف کیا ہے اور فلاں نے پچاس کے قتل کا اعتراف کیا ہے؛ لیکن اِس کے باوجود آج تک اُنہیں سو سو بار یا پچاس پچاس بار سزائے موت نہیں سنائی گئی۔ اِسی طرح ہزاروں ملزمان انکارِ جرم کرتے کرتے تھک جاتے ہیں؛ اُن کے انکارِ جرم کے باوجود اُنہیں رہا نہیں کیا جاتا۔ پس معلوم ہوا کہ عدالتی عمل ایک پیچیدہ عمل ہے، جس میں صرف یہی نہیں دیکھا جاتا کہ جرم کس نے کیا ہے؛ بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جرم کیوں ہوا۔ اس میں محرکات، اسباب، ارادے اور معاونین کی تفتیش کی جاتی ہے اور اس کی سزا کا تعیّن کیا جاتا ہے۔ لیکن سیّدی ممتاز حسین قادری زید حیاتہ کے ساتھ ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟ جرم کیوں ہوا، اس کے محرکات و اسباب کیا تھے، اسے نظر انداز کیا گیا؛ اِسی وجہ سے اِس فیصلے کو عدالت میں چیلنج کیا گیا ہے۔

آئینِ پاکستان کی رو سے تمام پاکستانی قانون کی نگاہ میں برابر ہیں۔ ہزاروں ایسے ملزمان موجود ہیں جن کے اعترافی بیانات ریکارڈ پر ہیں، لیکن تا حال اُنہیں سزائے موت نہیں سنائی گئی اعترافی ملزمان کی ایک کی فہرست تیار کی جائے جو اس تاریخ کے مطابق ہو جس دن انہوں نے اعتراف کیا تھا۔ اسی ترتیب سے پہلے اُن تمام کو پھانسی دیکر قانونی تقاضے پورے کیے جائیں، لیکن ایسا نہیں کیا جارہا ہے۔ قانونی مساوات کی بجائے سیّدی ممتاز حسین قادری کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جارہا ہے، جو آئین اور بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے مترادف ہے۔

ب ”گستاخِ رسول ﷺ واجب القتل ہے؛ اُسے معاف نہیں کیا جاسکتا۔ گستاخِ رسول کو صرف اور صرف نبی اکرم ﷺ ہی معاف کرسکتے ہیں۔“

اگر حقیقت یہی ہے جسے اخبار جنگ کراچی نے شائع کیا ہے کہ گستاخِ رسول کی سزا کو کوئی معاف نہیں کرسکتا، تو پھر گورنر پنجاب نے قانون کو ہاتھ میں کیوں لیا؟ گستاخِ رسول ﷺ کی حوصلہ افزائی اور حمایت کیوں کی؟ اور کس بنیاد پر آس دلائی کہ صدرِ پاکستان عدالتی سزا یافتہ گستاخِ رسول ﷺ کی سزا معاف کردیں گے؟ جبکہ اُنہیں شرعی لحاظ سے گستاخِ رسول ﷺ کی سزا معاف کرنے کا اختیار نہیں۔ اُن کا اختیار صرف پاکستان کی حدود میں چلتا ہے نہ کہ عالمگیر اسلامی ممالک اور معاشرے کی مجرمہ پر۔ اگر بے نظیر بھٹو کے قاتل کو سپریم کورٹ سزائے موت کا فیصلہ سنائے اور قاتل صدرِ پاکستان سے معافی کی اپیل کرے، کسی عام شہری سے پوچھیں کہ صدرِ پاکستان اس کو معاف کردیں گے؟ جواب ہو گا کہ ”نہیں“۔ جب صدرِ پاکستان کی غیرت بے نظیر کے قاتل کو معاف نہیں کرسکتی، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ عدالتی سزا یافتہ گستاخِ رسول ﷺ کی سزا معاف کردیں گے۔ گورنر پنجاب نے اپنی اِس غیر منطقی سوچ کی وجہ سے قانون کو ہاتھ میں لیا۔

ج۔ ”ملزم نے ایسا کرکے لوگوں میں خوف وہراس پیدا کیا۔ اور بے چینی پھیلائی، جس سے لوگ عدمِ تحفظ کا شکار ہوگئے؛ لہٰذا ملزم پر لگائی جانے والی دفعہ ٹھیک ہے۔“ (روزنامہ جنگ کراچی، ۲ اکتوبر ۲۰۱۱ء)

کیا عملی طور پر ایسا ہوا کہ:

(۱) دارالحکومت اور پورے پاکستان کی عوام نے کسی بے چینی اور خوف وہراس کے پیشِ نظر نقلِ مکانی کی یا اس کے اظہار کا کوئی اور طریقہ سامنے آیا؟

(۲) پاکستان کے جمہور عدمِ تحفظ کا شکار ہوگئے ہوں؛ عدمِ تحفظ کی بنا پر اپنے آپ کو گھروں میں مقید کرلیا ہو۔

(۳) اپنا کاروبارِ زندگی معطل کردیا ہو؛ کہیں ایسی مثال دکھائی دی۔

(۴) اِس واقعے پر جمہور نے افسوس کرتے ہوئے بھوک ہڑتال کی ہو، احتجاجی جلسے منعقد کیے ہوں۔

(۵) بلکہ جمہور کی عدالت میں اس کے برعکس ہوا، انہوں نے سلمان تاثیر کی مذمّت کی اور سیّدی ممتاز حسین قادری کو اپنا ہیرو قرار دیا۔

(۶) کسی بھی مشہور و معروف سرکاری وغیر سرکاری عالمِ دین نے اُس کی نمازِ جنازہ تک نہیں پڑھائی۔

بے چینی کی فضا پورے پاکستان میں اُس وقت قائم ہوئی جب ایک صوبے کے آئینی سربراہ نے قانون کو ہاتھ میں لیتے ہوئے عدالتی سزا یافتہ گستاخِ رسول ﷺ کی حمایت اور حوصلہ افزائی کی۔ بانیِ پاکستان قائدِ اعظم کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہر وکیل اِس مقدمے کی پیروی کے لیے سیماب صورت دکھائی دینے لگا۔ پیشی کے وقت ہر وکیل سیّدی کی ایک جھلک دیکھنے کو بے قرار ہے۔ پھول نچھاور کیے جا رہی ہیں۔ پاکستان کے شہر شہر، گاؤں گاؤں، گلی گلی، کوچے کوچے میں حمایتی جلوس، پرامن ریلیاں اور ہڑتال کی گئیں۔ اس طرح جمہور پاکستان نے اپنی بھرپور غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی مکمل حمایت اور تعاون کا یقین دلایا، جو حضرت ممتاز حسین قادری کے ساتھ اہلِ پاکستان کی والہانہ محبّت کا بیّن ثبوت ہے۔

ایک مخصوص طبقہ ہے جو اسلامی قوانین کے بارے میں ہمیشہ شور کرتا ہے کہ اسلامی قوانین کا غلط استعمال ہو سکتا ہے۔ اِس لیے اِنہیں ختم کردیا جائے۔ قانون کا ایک ادنیٰ سا طالبِ علم بھی جانتا ہے کہ ہر قانون میں غلط استعمال کا احتمال پایا جاتا ہے۔ کیا ہر قانون کے ممکنہ غلط استعمال ہونے کی وجہ سے اُسے ختم کردیا جائے؟ اِسی امر کی روک تھام کے لیے پولیس کا محکمہ موجود ہے، قانون کے غلط استعمال

کو روکنے کے لئے عدالتیں موجود ہیں۔ اِس کے باوجود قانون کے غلط استعمال کرنے والوں کے لئے سزائیں مقرر ہیں۔ غلط قانون کی روک تھام کے لیے ہتکِ عزّت کا قانون موجود ہے۔ اِسی طرح تعزیراتِ پاکستان کی

دفعہ ۱۹۳: جو کوئی بالارادہ کسی عدالتی کارروائی کے کسی مرحلے پر جھوٹی گواہی دے یا عدالتی کار روائی کے کسی مرحلے پر استعمال کیے جانے کی غرض سے جھوٹی گواہی کی جعل سازی کرے تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو سات سال تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانے کا مستوجب بھی ہوگا۔

دفعہ ۱۹۴: جو کوئی شخص جھوٹی گواہی دے یا اس امر کے احتمال کے علم سے کہ اس کے باعث کسی شخص کو کسی ایسے جرم میں سزایاب کرائے جو فی الوقت نافذ العمل قانون کی رو سے سنگین ہو تو اسے عمر قید کی سزا یا اتنی مدت کے لیے قیدِ سخت کی سزا دی جائے گی جو دس سال تک پہنچ سکتی ہے اور وہ جرمانے کی سزا کا بھی مستوجب ہوگا اور اگر مذکورہ جھوٹی گواہی کے باعث کوئی بے گناہ شخص سزایاب ہو جائے اور پھانسی پا جائے تو اس شخص کو جو مذکورہ جھوٹی گواہی دے یا تو موت کی سزا دی جائے گی یا متذکرہ بالا سزا دی جائے گی۔

اِس قدر مضبوط بنیادوں پر قانون کے غلط استعمال کو روکا گیا ہے۔ ایسے ہی اسلامی قوانین کے غلط استعمال پر بھی سخت سزائیں مقرر ہیں۔ یہ فکر قانونِ فلسفہ سے عدمِ واقفیت کی مظہر ہے یا تجاہلِ عارفانہ کے مصداق ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اِسی طرح ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا کہ ممتاز حسین قادری کو خود قانون کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے تھا؛ بلکہ اُسے گورنر کے خلاف عدالت میں جانا چاہیے تھا۔ یہ اعتراض جتنا وزنی ہے اتنا ہی غیر منطقی بھی۔ ان معترضین سے پوچھا جائے، کیا صدرِ پاکستان اور گورنر کے خلاف دورانِ اقتدار کوئی عدالتی چارہ جوئی ہو سکتی؟ جواب ہوگا "نہیں" کیوں کہ اُنہیں آئینی اور قانونی استثنا حاصل ہے؛ اِس لیے فدائے تحفظِ ناموسِ رسالت ممتاز حسین قادری کو اِس قسم کا مشورہ دینا آئین اور قانون سے عدم واقفیت کا مظہر ہے۔

شرعی و قانونی حل:

الف۔ گورنر کے ورثا سیّدی ممتاز حسین قادری کو معاف کر کے اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب ﷺ کے سامنے سرخ رو ہوں۔

ب۔ دیت وصول کر کے رہائی کے اسباب مہیا کریں۔ اِس وقت اُن اداروں اور شخصیات کی کڑی ذمّے داری بنتی ہے کہ وہ وفاداریِ رسول ﷺ کا ثبوت دیتے ہوئے کم از کم اِس طرح کا کردار ادا کریں جس طرح اُنھوں نے تین بے گناہ پاکستانی شہریوں کے قاتل ریمنڈ ڈیوس سے دیت کے معاملات طے کرنے کے بعد اُسے امریکہ روانہ کیا۔ سیّدی ممتاز حسین قادری کی دیت کے معاملات طے کرنے کے لیے اگر پچاس کروڑ روپے کی رقم درکار ہو تو سوادِ اعظم اہلِ سنّت و جماعت کا بچہ بچہ ایک ایک پائی کی بھیک مانگ کر اس کے لیے رقم جمع کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتا ہے۔ اس کے برعکس روحِ اقبال پکار پکار کر کہہ رہی ہے:

نظر اللہ پر رکھتا ہے مسلمانِ غیور
موت کیا شے ہے؟ فقط عالمِ معنیٰ کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہلِ کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خون جن کا حرم سے بڑھ کر

ج۔ عدالت ہی رہا کر دے۔

د۔ خاکم بدہن کہ عدالت سزا سنائے تو صدرِ پاکستان اُسے معاف کر دیں۔

ہ۔ یا ریفرنڈم کرایا جائے جو جمہور کی رائے ہو صدرِ پاکستان اُس پر عمل کریں۔

اس حل پر عمل کر کے پاکستان کو کسی بہت بڑے حادثے سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ کروڑوں فدایانِ ناموسِ رسالت کی عدالت ممتاز حسین قادری کو اپنا ہیرو قرار دے چکی ہے۔ عدالت جو بھی فیصلہ کرے وہ تا قیامت عزت و عظمت کے مَنارۂ نور ہیں۔ اُن کی زندگی باعثِ سعادت اور شہادت اہلِ سنّت کی حیات ہے۔ قائدینِ سوادِ اعظم اہلِ سنّت و جماعت حضرت ممتاز حسین قادری کی حمایت اور تحفظِ ناموسِ رسالت کی تحریک جس طرح پر امن اور جمہوری طریقے سے چلا رہے ہیں اور دنیا اہلِ سنّت کی اِس امن پسندی کی معترف ہے۔

غیرت کا درس تیرا، غیرت کا تو امام
مذہب کا تو مجاہد، شمشیر بے نیام

عقائد متعلّقہ ذات وصفاتِ الٰہی

صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رضوی

عقیدہ: اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں نہ احکام میں نہ اسما میں۔ واجب الوجود ہے یعنی اس کا وجود ضروری ہے اور عدم محال قدیم ہے۔ یعنی ہمیشہ سے ہے ازلی کے بھی یہی معنٰی ہیں، باقی ہے یعنی ہمیشہ رہے گا اور اسی کو ابدی بھی کہتے ہیں؛ وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت وپرستش کی جائے۔

عقیدہ: وہ بے پرواہے کسی کا محتاج نہیں اور تمام جہاں اس کا محتاج۔

عقیدہ: اس کی ذات کا ادراک عقلاً محال کہ جو چیز سمجھ میں آتی ہے عقل اُس کو محیط ہوتی ہے اور اس کو کوئی احاطہ نہیں کر سکتا؛ البتّہ اُس کے افعال کے ذریعہ سے اجمالاً اس کی صفات پھر ان صفات کے ذریعہ سے معرفتِ ذات حاصل ہوتی ہے۔

عقیدہ: اس کی صفتیں نہ عین ہیں نہ غیر یعنی صفات اسی ذات ہی کا نام ہو ایسا نہیں اور نہ اُس سے کِسی طرح کسی نحوِ وجود میں جُدا ہو سکیں کہ نفس ذات کی مقتضٰی ہیں اور عین ذات کو لازم۔ **عقیدہ:** جس طرح اس کی ذات قدیم ازلی ابدی ہے صفات بھی قدیم ازلی ابدی ہیں۔

عقیدہ: اس کی صفات نہ مخلوق ہیں نہ زیر قدرت داخل۔

عقیدہ: ذات وصفات کے سوا سب چیزیں حادث ہیں۔ یعنی پہلے نہ تھیں پھر موجود ہوئیں۔

عقیدہ: صفاتِ الٰہی کو جو مخلوق کہے یا حادث بتائے گمراہ بد دین ہے۔

عقیدہ: جو عالم میں سے کسی شے کو قدیم مانے یا اس کے حدوث میں شک کرے کافر ہے۔

عقیدہ: نہ وہ کسی کا باپ ہے، نہ بیٹا، نہ اُس کے لیے بی بی۔ جو اسے باپ یا بیٹا بتائے یا اُس کے لیے بی بی ثابت کرے کافر ہے بلکہ جو ممکن بھی کہے گمراہ بد دین ہے۔ عقیدہ: وہ حیّ ہے یعنی خود زندہ ہے اور سب کی زندگی اُس کے ہاتھ میں ہے۔ جسے جب چاہے زندہ کرے اور جب چاہے زندہ کرے اور جب چاہے موت دے۔

عقیدہ: وہ ہر ممکن پر قادر ہے کوئی ممکن اُس کی قدرت سے باہر نہیں۔

عقیدہ: جو چیز محال ہے اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ اس کی قُدرت اُسے شامل ہو کہ محال اُسے کہتے ہیں جو موجود نہ ہو سکے اور جب مقدور ہو گا تو موجود ہو سکے گا پھر محال نہ رہا۔ اسے یوں سمجھو کہ دوسرا خدا محال ہے، یعنی نہیں ہو سکتا تو یہ اگر زیرِ قدرت ہو تو موجود ہو سکے گا۔ تو محال نہ رہا اور اس کو محال نہ ماننا وحدانیت کا انکار ہے۔ یو نہی فنائے باری محال ہے؛ اگر تحتِ قدرت ہو تو ممکن ہو گی اور جس کی فنا ممکن ہو وہ خدا نہیں تو ثابت ہوا کہ محال پر قدرت ماننا اللہ کی الوہیّت سے ہی انکار کرنا ہے۔

عقیدہ: ہر مقدور کے لیے ضرور نہیں کہ موجود ہو جائے؛ البتہ ممکن ہونا ضروری ہے اگرچہ کبھی موجود نہ ہو۔

عقیدہ: وہ ہر کمال وخوبی کا جامع ہے اور ہر اس چیز سے جس میں عیب ونقصان ہے پاک ہے۔ یعنی عیب ونقصان کا اس میں ہونا محال ہے؛ بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو نہ نقصان وہ بھی اس کے لیے محال، مثلاً جھوٹ، دغا، خیانت، ظلم، جہل، بے حیائی وغیر ہم عیوب اس پر قطعاً محال ہیں اور یہ کہنا کہ جھوٹ پر قدرت ہے بایں معنٰی کہ وہ خود جھوٹ بول سکتا ہے محال کو ممکن ٹھہرانا اور خدا کو عیبی بتانا؛ بلکہ خدا سے انکار کرنا ہے اور یہ سمجھنا کہ محالات پر قادر نہ ہو گا، تو قدرت ناقص ہو جائے گی باطل محض ہے کہ اس میں قدرت کا کیا نقصان، نقصان تو اس محال کا ہے کہ تعلق قدرت کی اس میں صلاحیت نہیں۔ **عقیدہ:** حیات۱، قدرت۲، سننا۳، دیکھنا۴، کلام۵، علم۶، ارادہ۷، اس کے صفاتِ ذاتیہ ہیں؛ مگر کان آنکھ زبان سے اس کا سننا دیکھنا کلام کرنا نہیں کہ یہ سب اجسام ہیں اور اجسام سے وہ پاک۔ ہر پست سے پست آواز کو سنتا ہے، ہر باریک سے باریک کو کہ خوردبین سے محسوس نہ ہو وہ دیکھتا ہے؛ بلکہ اس کا دیکھنا اور سُننا انہی چیزوں پر منحصر نہیں ہر موجود کو دیکھتا ہے اور ہر موجود کو سُنتا ہے۔

عقیدہ: مثل دیگر صفات کے کلام بھی قدیم ہے حادث ومخلوق نہیں؛

جو قرآنِ عظیم کو مخلوق مانے ہمارے امام اعظم و دیگر ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اُسے کافر کہا، بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہ سے اس کی تکفیر ثابت ہے۔

عقیدہ: اُس کا کلام آواز سے پاک ہے اور یہ قرآن عظیم جس کو ہم اپنی زبان سے تلاوت کرتے، مصاحف میں لکھتے ہیں اسی کا کلام قدیم بلاصوت ہے اور یہ ہمارا پڑھنا لکھنا اور یہ آواز حادث یعنی ہمارا پڑھنا حادث ہے اور جو ہم نے پڑھا قدیم اور ہمارا لکھنا حادث اور جو لکھا قدیم ہمارا سُننا حادث ہے اور جو ہم نے سُنا قدیم ہمارا حفظ کرنا حادث ہے اور جو ہم نے حفظ کیا قدیم یعنی متجلّی قدیم ہے اور تجلّی حادث۔

عقیدہ: اس کا علم ہر شے کو محیط یعنی جزئیات، کلیات، موجودات، معدومات، ممکنات، محالات سب کو ازل میں جانتا تھا اور اب جانتا ہے اور ابد تک جانے گا اشیا بدلتی ہیں اور اس کا علم نہیں بدلتا۔ دلوں کے خطروں اور وسوسوں پر اس کو خبر ہے اور اس کے علم کی کوئی انتہا نہیں۔

عقیدہ: وہ غیب وشہادت سب کو جانتا ہے علمِ ذاتی اس کا خاصہ ہے جو شخص علم ذاتی غیب خواہ شہادت کا غیر خدا کے لیے ثابت کرے کافر ہے علم ذاتی کے یہ معنٰی کہ بے خدا کے دیئے خود حاصل ہو۔

عقیدہ: وہی ہر شے کا خالق ہے؛ ذوات ہوں، خواہ افعال، سب اُسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔

عقیدہ: حقیقتاً روزی پہنچانے والا وہی ہے؛ ملائکہ وغیرہم وسائل و وسائط ہیں۔

عقیدہ: ہر بھلائی بُرائی اُس نے اپنے علمِ ازلی کے موافق مقدّر فرمادی ہے۔ جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا اپنے علم سے جانا اور وہی لکھ لیا تو یہ نہیں کہ جیسا اُس نے لکھ دیا ویسا ہم کو کرنا پڑتا ہے بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے ویسا اُس نے لکھ دیا۔ زید کے ذمّے بُرائی لکھی اس لیے کہ زید بُرائی کرنے والا تھا اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا وہ اس کے لیے بھلائی لکھتا تو اس کے علم یا اس کے لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کر دیا۔ تقدیر کے انکار کرنے والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُمّت کا مجوس بتایا۔

عقیدہ: قضا تین قسم ہے: (۱) مبرمِ حقیقی کہ علمِ الٰہی میں کسی شے پر معلّق نہیں اور (۲) معلّقِ محض کہ صحفِ ملائکہ میں کسی شے پر اس کا معلّق ہونا ظاہر فرمادیا گیا ہے اور (۳) معلّق شبیہ بہ مبرم کہ صحفِ ملائکہ میں اس کی تعلیق مذکور نہیں اور علم الٰہی میں تعلیق ہے وہ جو مبرم حقیقی ہے اس کی تبدیل ناممکن ہے۔ اکابر محبوبانِ خدا اگر اتفاقاً اس بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں تو انہیں اس خیال سے واپس فرما دیا جاتا ہے۔ ملائکہ قومِ لُوط پر عذاب لے کر آئے، سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علٰی نبینا الکریم وعلیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کہ رحمتِ محضہ تھے ان کا نام پاک ہی ابراہیم ہے یعنی اب رحیم مہربان باپ ان کافروں کے بارے میں اتنے ساعی ہوئے کہ اپنے رب سے جھگڑنے لگے۔ ان کا رب فرماتا ہے۔ يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ہم سے جھگڑنے لگا قوم لوط کے بارے میں؛ یہ قرآنِ عظیم نے ان بے دینوں کا رد فرمایا جو محبوبانِ خدا کو بارگاہِ عزّت میں کوئی عزّت و وجاہت نہیں مانتے اور کہتے ہیں اس کے حضور کوئی دم نہیں مار سکتا حالاں کہ ان کا رب عزوجل ان کی وجاہت اپنی بارگاہ میں ظاہر فرمانے کو خود ان لفظوں سے ذکر فرماتا ہے کہ ہم سے جھگڑنے لگا قوم لوط کے بارے میں حدیث میں ہے شبِ معراج حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آواز سُنی کہ کوئی شخص اللہ عزوجل کے ساتھ بہت تیزی اور بلند آواز سے گفتگو کررہا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والسلام سے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہیں عرض کی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام۔ فرمایا کیا اپنے رَب پر تیز ہو کر گفتگو کرتے ہیں عرض کی ان کا رب جانتا ہے کہ ان کے مزاج میں تیزی ہے۔ جب آیۃ کریمہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى نازل ہوئی کہ بے شک عنقریب تمہیں تمہارا رب اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے حضور سیّد المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذًا لَّا اَرْضٰى وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِيْ فِي النَّارِ ایسا ہے تو میں راضی نہ ہوں گا اگر میرا ایک اُمّتی بھی آگ میں ہو۔ یہ تو شانیں بہت رفیع ہیں جن پر رفعتِ عزّت وجاہت ختم ہے صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم، مسلمان ماں باپ کا کچّا بچہ جو حمل سے گر جاتا ہے اس کے لیے حدیث میں فرمایا کہ روزِ قیامت اللہ عزّوجل سے اپنے ماں باپ کی بخشش کے لیے ایسا جھگڑے گا جیسا قرض خواہ کسی قرض دار سے یہاں تک کہ فرمایا جائے گا اَيُّهَا السِّقْطُ الْمُرَاغِمُ رَبَّهٗ اے کچّے بچّے اپنے رب سے جھگڑنے والے اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑ لے اور جنّت میں چلا جا۔ خیر یہ تو جملۂ معترضہ تھا، مگر ایمان والوں کے لیے بہت نافع اور شیاطین الانس کی خباثت کا دافع تھا۔ کہنا یہ ہے کہ قومِ لوط پر عذاب قضائے مبرم حقیقی تھا خلیل اللہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس میں جھگڑے تو اُنھیں ارشاد ہوا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ اے ابراہیم اس خیال

میں نہ پڑو بے شک ان پر وہ عذاب آنے والا ہے جو پھرنے کا نہیں۔ اور وہ جو ظاہر قضائے معلق ہے اس تک اکثر اولیا کی رسائی ہوتی ہے ان کی دُعا سے اُن کی ہمت سے ٹل جاتی ہے اور وہ جو متوسط حالت میں ہے جسے صحفِ ملائکہ کے اعتبار سے مبرم بھی کہہ سکتے ہیں اُس تک خاص اکابر کی رسائی ہوتی ہے حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اسی کو فرماتے ہیں میں قضائے مبرم کو رد کر دیتا ہوں اور اسی کی نسبت حدیث میں ارشاد ہوا: اِنَّ الدُّعَاۤءَ یَرُدُّ الْقَضَاۤءَ بَعْدَ مَا اُبْرِمَ بے شک دُعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے۔

مسئلہ: قضاو قدر کے مسائل عام عقلوں میں نہیں آسکتے ان میں زیادہ غور و فکر کرنا سببِ ہلاکت ہے۔ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما اس مسئلے میں بحث کرنے سے منع فرمائے گئے ماو شما کس گنتی میں۔ اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو مثلِ پتھر اور دیگر جمادات کے بے حس و حرکت نہیں پیدا کیا، بلکہ اس کو ایک نوع اختیار دیا ہے کہ ایک کام چاہے کرے چاہے نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی عقل بھی دی ہے کہ بھلے بُرے نفع نقصان کو پہچان سکے اور ہر قسم کے سامان اور اسباب مہیا کر دیے ہیں کہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے اسی قسم کے سامان مہیا ہو جاتے ہیں اور اُسی بنا پر اُس پر مواخذہ ہے اپنے آپ کو بالکل مجبور یا بالکل مختار سمجھنا دونوں گمراہی ہیں۔

مسئلہ: بُرا کام کر کے تقدیر کی طرف نسبت کرنا اور مشیّتِ الٰہی کے حوالے کرنا بہت بُری بات ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ جو اچھا کام کرے اُسے منجانب اللہ کہے اور جو بُرائی سر زد ہو اس کو شامتِ نفس تصوّر کرے۔

عقیدہ: اللہ تعالیٰ جہت و مکان و زبان و حرکت و سکون و شکل و صورت وجمیع حوادث سے پاک ہے۔

عقیدہ: دنیا کی زندگی میں اللہ عزوجل کا دیدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے اور آخرت میں ہر سُنّی مسلمان کے لیے ممکن بلکہ واقعی۔ رہا قلبی دیدار یا خواب میں یہ دیگر انبیاء علیہم السّلام بلکہ اولیاء کے لیے بھی حاصل ہے۔ ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو خواب میں سو (۱۰۰) بار زیارت ہوئی۔

عقیدہ: اس کا دیدار بلا کیف ہے یعنی دیکھیں گے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیسے دیکھیں گے جس چیز کو دیکھتے ہیں اس سے کچھ فاصلہ مسافت کا ہوتا ہے نزدیک یا دُور وہ دیکھنے والے سے کسی جہت میں ہوتی ہے اُوپر یا نیچے رہنے یا بائیں آگے یا پیچھے اس کا دیکھنا ان سب باتوں سے پاک ہو گا۔ پھر رہا یہ کہ کیونکر ہو گا یہی تو کہا جاتا ہے کہ کیونکر کو یہاں دخل نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ جب دیکھیں گے اُس وقت بتا دیں گے۔ اُس کی سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک عقل پہنچتی ہے وہ خدا نہیں اور جو خدا ہے اس تک عقل رسا نہیں اور وقتِ دیدار نگاہ اس کا احاطہ کرے یہ محال ہے۔

عقیدہ: وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے کسی کو اس پر قابو نہیں اور نہ کوئی اس کے ارادے اُسے باز رکھنے والا۔ اس کو نہ اُونگھ آئے، نہ نیند؛ تمام جہان کا نگاہ رکھنے والا۔ نہ تھکے نہ اُوکتائے تمام عالم کا پالنے والا، ماں باپ سے زیادہ مہربان، حکم والا۔ اُسی کی رحمت ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا اُسی کے لیے بڑائی اور عظمت ہے۔ ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے صورت بنانے والا، گناہوں کا بخشنے والا، توبہ قبول کرنے والا، قہر و غضب فرمانے والا؛ اس کی پکڑ نہایت سخت ہے، جس سے بے اُس کے چھڑائے کوئی چُھوٹ نہیں سکتا۔ وہ چاہے تو چھوٹی چیز کو وسیع کر دے اور وسیع کو سمیٹ دے۔ جس کو چاہے بلند کر دے اور جس کو چاہے پست؛ ذلیل کو عزّت دے دے اور عزت والے؛ کو ذلیل کر دے جس کو چاہے راہ راست پر لائے اور جس کو چاہے سیدھی راہ سے الگ کر دے؛ جسے چاہے اپنا نزدیک بنالے اور جسے چاہے مردُود کر دے؛ جسے جو چاہے دے اور جو چاہے چھین لے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے یا کرے گا عدل و انصاف ہے، ظلم سے پاک وصاف ہے، نہایت بلند وبالا سے بدلا لیتا ہے اس کی مشیّت اور ارادے کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا؛ مگر اچھے پر خوش ہوتا ہے اور بُرے سے ناراض ۔ اس کی رحمت ہے کہ ایسے کام کا حکم نہیں فرماتا جو طاقت سے باہر ہے اللہ عزوجل پر ثواب یا عذاب یا بندے کے ساتھ لطف یا اس کے ساتھ وہ کرنا جو اُس کے حق میں بہتر ہو اس پر کچھ واجب نہیں مالک علی الاطلاق ہے جو چاہے کرے اور جو چاہے حکم دے ہاں اُس نے اپنے کرم سے وعدہ فرمالیا ہے کہ مسلمانوں کو جنّت میں داخل فرمائے گا اور بمقتضائے عدل کفار کو جہنم میں؛ اور اس کے وعدہ و وعید بدلتے نہیں۔ اُس نے وعدہ فرمالیا ہے کہ کفر کے سوا ہر چھوٹے بڑے گناہ کو جسے چاہے معاف فرمادے گا۔

(بقیہ صفحہ نمبر21 پر ملاحظہ فرمایئے)

تقریرِ مُنیرِ قلب (۱۳۴۲ھ)

محمد حشمت علی خاں لکھنوی

امام احمد رضا کے وابستگان میں ایک سے بڑھ کر ایک صاحب علم و فضل شخصیات ہیں۔ شیر بیشہ اہلسنت مولانا حشمت علی خاں قادری رضوی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ امام احمد رضا کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ آپ کے حیات و خدمات کی تفصیل کتاب "سوانح شیر بیشہ اہلسنت" مولفہ مولانا محبوب علی خاں نیز دیگر کتابوں میں شائع ہوچکی ہے۔ معارفِ رضا شمارہ اگست ۲۰۱۱ء میں آپ کی تصنیف "عقائد حقہ اہلسنت و جماعت" (۱۳۶۴ھ) شائع ہوئی تھی اور قارئین سے وعدہ تھا کہ شیر بیشہ اہلسنت کی تصنیف "تقریر منیر قلب" (۱۳۴۲ھ) بھی جلد معارفِ رضا میں شائع ہو گی۔ حقانیتِ اسلام کے موضوع پر یہ تصنیف اس ماہ شائع کی جارہی ہے۔ (عبید)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اللّٰھم یانور لك الحمد سرمدا صل علی نورك المنیر وآلہ ابدا یانور ویانور النور ویانورا قبل کل نور ویانورا بعد کل نور ویانورا مع کل نور ویانورا فی کل نور ویانورا فوق کل نور لك النور وبك النور ومنك النور والیك النور وانت النور ونور النور ونور علی کل نور صل علی نورك الانور وآلہ السرج الغرر وصحبہ المصابیح الزھر صلاۃ تجعل لنا بھا فی قلوبنا نورا وفی صدورنا نورا وفی عیوننا نورا وفی وجوھنا نورا وفی قبورنا نورا آمین یانور الحق المبین۔ اما بعد فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم۔

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ صدق اللہ العلی الۡعَظِیۡم وبلّغ رسولہ الحبیب الرؤف الرّحِیۡم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ونحن علیٰ ذٰلك من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ ربّ الۡعٰلمین ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم وتب علینا انك انت التواب الرحیم۔

سجّن پر شور دھارمک منشو، مسلمان متر و اسلامک پُتر و سچّائی کے پسند کرنے والو مذہب کے فدائیو، اسلام کے شیدائیو! اس وقت اس سمے پر میں آپ کو کوئی بہت بڑا وکھیان دینے کے لیے نہیں آیا ہوں؛ آپ کو کوئی طویل اُپدیش نہ دوں گا؛ آپ کے سامنے کوئی مفصل تقریر نہ کروں گا؛ کیول اتنی سی بات ہے فقط یہ امر ہے کہ ادھر میوں کے ہاتھوں سے جو دُکھ مسلمانوں پر آرہے ہیں اور کفّار کے جن جن مظالم نے اسلام کو نرغے میں لے لیا ہے اُن کو دیکھتے ہوئے میرے دل پر جو تکلیف ہے، میرے مَن میں جو درد ہے، وہ آپ کے سیوا میں بیان کروں۔ آہ ایک زمانہ تھا کہ عالم کی سلطنتیں ہمارے قدموں کے بوسے لینے کو اپنا فخر جانتی تھیں؛ شہنشاہانِ جہاں کے تاج ہمارے پیر کے جوتوں سے ٹکراتے تھے؛ بڑے بڑے جبروت والے بادشاہوں کے تخت کو ہم نے اُلٹ دیا فرماں روایان عالم ہمارے فرماں بردار تھے؛ کشور کشایانِ جہاں ہمارے ہی بندۂ فرمان تھے؛ پرتھوی کے راجہ مہاراجہ اپنی پگڑیاں ہمارے چرنوں پر ڈالا کرتے تھے قیصر و کسرٰی کے محل میں ہمارے ہی نعرہائے تکبیر نے زلزلہ ڈال دیا، جدھر رُخ کرتے تھے فتح و کامیابی ہمارے قدموں پر لوٹتی تھی۔ کسی کافر کو اتنی جراءت نہ تھی کہ وہ ہمیں بُری نگاہ سے دیکھ سکے۔

افسوس آج وہ وقت آگیا پتّھروں کے پُجاری پاخانے اور پیشاب کو پوتر سمجھنے والے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کے ماننے والے اسلام و مسلمین کے مٹانے کو تیار ہیں؛ اُن کے دعوے ہیں کہ ہندوستان کے ساڑھے سات کروڑ مَلِکش مسلمانوں کو جلد سے جلد ہندو بناڈالو اور اگر یہ ہندو نہ ہوں تو انہیں بھارت ورت (ہندوستان) سے نکال دو۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کعبہ کی چھت پر جاکر اوم کا جھنڈا گاڑیں گے انہوں نے اشدھی سبھائیں قائم کرلی ہیں ہندو سبھائیں بناڈالی ہیں۔ کہیں چمار سبھا ہے، کہیں گوجر سبھا ہے، کہیں راجپوت سبھا ہے، کہیں ذات پات توڑک منڈل ہے، کہیں چھوت چھات توڑک منڈل ہے، ہندو سنگھٹن ایک آندھی کی طرح ہندوستان کے ہر گوشے میں پھیل گیا ہے۔ ہر ہندو بچّے کی آنکھ میں مسلمانوں کو دیکھ کر خون اُتر آیا ہے، ایک ایک مشرک جنا اسلام کے مٹانے پر تُلا ہوا ہے۔ آگرہ، سہارن پور، رائے

بریلی، امرت سر، گونڈہ، جبل پور، پانی پت، ضلع ایٹہ، شاہجہاں پور میرٹھ، اجمیر مقدس وغیرہا مقامات پر مسلمانوں پر مظالم توڑے گئے اور مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ پٹ جاتے ہیں، مار کھالیتے ہیں۔ اللہ اللہ ایک مشرک کے ناپاک ہاتھوں سے کہ گوبر کا اُپلا بھی اُس کا معبود ہے بدلا نہیں لے سکتے ہیں۔ بدلا لینا تو در کنار، فریاد بھی نہیں کرسکتے ہیں اور فریاد کریں تو سُننے والا کون ۔

کفر کا زور ہے اسلام دبا جاتا ہے
المدد اے شہِ دیں کفر مٹانے والے

اللہ اکبر آج پرستارانِ توحید واحد قُدّوس کے ماننے والے اس قدر کم ہمّت ہوگئے، ایسے بُزدل ہوگئے، اتنے کمزور ہوگئے۔ اے مسلمانو! بہت سوچکے؛ جاگو خوابِ غفلت سے بیدار ہو۔ سونے کا وقت گزر چکا اٹھو ہوشیار ہو ہم نے مانا کہ تمہارے پاس تیر و تبر نہیں، تیغ و شمشیر نہیں، توپ و تفنگ نہیں، بندوق رفل نہیں؛ مگر تمہارے پاس اسلام کی حقّانیت ہے، تمہارے سینوں میں حق کی امانت ہے جس کے سامنے تمام اہلِ باطل کی گردنیں خم ہیں۔ تم ذرا جاگ تو جاؤ ہوشیار تو بنو پھر دیکھنا کہ تمہاری بے دست وپائی کس طرح اعدائے دین کے زور و مکر و فریب کے آہنی قلعوں پر برق خاطف بن کر گرتی ہے اور کیوں کر اُن کے پرخچے اڑادیتی ہے۔ یہ وہی پیارا اسلام ہے جس کی عالم افروز تجلّیاں اس آیتِ کریمہ میں دکھائی گئی ہیں جو میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ بے شک سچّا دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے؛ عالم میں جتنے مذاہب ہیں، دنیا میں جتنے دین ہیں، سنسار میں جتنے دھرم ہیں، جگ میں جتنے مت ہیں خواہ وہ وام مارگی ہوں یا جینی ہوں یا بدھ ہوں یا نویں ویدانتی ہوں یا شیومت ہوں یا وشنومت ہوں یا چکران کت وشنو ہوں یا سناتن دھرم ہوں یا برہموں سماج ہوں یا آریہ سماج ہوں یا مجوس، عیسائی یہودی ہوں، کسی کا مذہب کسی کا دھرم کسی کا دین خدائے تعالیٰ تک نہیں پہنچا سکتا۔ اگر کوئی مذہب خدا کے دربار تک ہماری رسائی کراسکتا ہے تو وہ پیارا مذہب اسلام ہے۔ اس وقت اسلام کے مقابلے پر جتنے مت (مذہب) آستین چڑھا کر اسلام سے مقابلے کے لیے آئے، ہیں اُن کا اسلام سے مقابلہ کرکے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، آپ خود ہی سمجھ لیں گے۔

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ خدا پاک ہے، اُس کا نام قُدّوس سُبّوح ہے؛ وہ ممکنات کی ہر آلائش وگندگی سے مُنزّہ و مبرّا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ پاک چیز سے دوسری چیز اسی وقت مل کر فائدہ اُٹھا سکتی ہے جبکہ وہ خود بھی پاک ہو، تو جو مذہبِ پاک خدا تک ہمیں پہنچائے ضرور ہے کہ ہمیں بھی پاک کرنے کا ذمّہ لے۔ آج اسلام کے مقابل ہر مذہب کو چیلنج ہے کہ وہ اپنے یہاں کے سو برس کے بُڈھے کا مسلمانوں کے چار برس کے بچے سے مقابلہ کرکے دیکھ لے کہ جو شخص سو برس تک وید کی تعلیم پر عمل کرتا رہا۔ اُس کے وید نے کیا نفع دی اور اس ایک چار برس کے مسلمان بچے کو اسلام کیا فیض پہنچاتا ہے۔

ہر مذہب کے عُقلا مانتے ہیں کہ پاخانہ اور پیشاب نجس ہیں، ناپاک ہیں، اشدھ ہیں، اپوتر ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی انسان اس سے مستثنیٰ نہیں ہے ہر منش کو یہ دونوں چیز لگی ہوئی ہیں اور ہر ہر شخص اپنے بدن سے اپنے جسم سے اپنے شریر سے ان دونوں چیزوں کو دور اور جُدا اور الگ الگ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ چار برس کا بچّہ کس طرح پاخانہ اور پیشاب کو اپنے جسم سے دور کرتا ہے۔ جب اُس کو پیشاب کی ضرورت ہوتی ہے تو پہلے وہ ایک ڈھیلا تلاش کرتا ہے، پھر ایسی جگہ دیکھتا ہے جہاں اس کو پیشاب کرتے ہوئے دوسرا نہ دیکھے اس لیے کہ انسان کی فطرت میں حیا اور غیرت کا مادّہ قدرت نے ودیعت فرمادیا ہے۔ اسلام نے اُس کی حفاظت فرمائی اور اک چار برس کے بچّے کو یہ تعلیم دی کہ وہ لوگوں کے سامنے بیٹھ کر پیشاب بھی نہ کرے۔ جب اس قدر اس کی غیرت کا لحاظ رکھا گیا ہے تو بڑا ہو کر اُس کو یہ ہمّت کبھی نہ ہوگی کہ وہ نامحرم عورت کے سامنے اپنا جسم کھولے۔ اسلام نے زنا کا سدِّباب فرمادیا؛ اب اُس کو محفوظ مقام مل گیا تو وہ دیکھتا ہے کہ قبلہ کی طرف میری پیٹھ اور مُنھ نہ ہونے پائے؛ جس کی طرف مُنھ کرکے میں اپنے خدا کی عبادت کرتا ہوں اُس طرف گندگی کی حالت میں مُنھ یا پیٹھ ہونا بے ادبی ہے پھر وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ آگے کی زمین اونچی نہ ہو کہ پیشاب لوٹ کر اسی کو ناپاک نہ کردے؛ یہ بھی خیال کرتا ہے کہ ہوا کے رُخ میں نہ ہو کہ پیشاب اُڑ کر اس کے کپڑوں پر نہ پڑ جائے۔ اب

پیشاب سے فارغ ہو گیا تو اُس نے ڈھیلا لے لیا، اس لیے کہ استنجا کرتے وقت اس کا ہاتھ ناپاک نہ ہو؛ جب اُس کو اطمینان ہو گیا تو پانی سے اُس نے استنجا کر لیا۔ اگر پاخانہ کی اُس کو ضرورت ہوتی ہے پانچ یا سات ڈھیلے لے کر بیت الخلا جاتا ہے۔ پہلے بایاں پاؤں رکھتا ہے اس لیے کہ داہنا پاؤں افضل ہے؛ مسجد میں جانے کے لیے ہے، پاخانہ میں اُس کو پہلے داخل کرنا بے ادبی ہے۔ جانے سے پہلے وہ ایک دعا پڑھتا ہے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِكَ مِنَ الۡخُبۡثِ وَالۡخَبَائِثِ یعنی میں ایک عاجز انسان ہوں نجاستوں میں مبتلا ہوں اے اللہ تو ہی مجھے پاک کرے گا تو میں پاک ہوں گا۔ پاخانہ میں جاکر اُتنا ہی جسم کھولتا ہے جس کی ضرورت ہے سر کو جھکائے ہوئے زمین پر نگاہ رکھتا ہے۔ اس کی عاجزی اُس کی ضعیف النبیانی اس کے پیش نظر ہے وہ اپنی شرمگاہ کو نہیں دیکھتا ہے تا کہ اُس کے قوائے شہوانی میں ہیجان نہ پیدا ہو؛ فارغ ہو کر ڈھیلے سے نجاست صاف کرتا ہے اور اُس کے بعد پانی سے استنجا کر کے پہلے داہنا پاؤں نکال کر باہر آتا ہے کہ یہ جگہ اس قابل نہ تھی کہ کوئی اپنی خوشی سے جائے مجبوراً جانا پڑتا ہے اس وجہ سے یہاں سے جلد نکلنا چاہیے اور پہلے اپنے داہنے پاؤں کو نکالتا ہے باہر نکل کر وہ پڑھتا ہے: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ اَذۡهَبَ عَنِّی الۡاَذٰی وَعَافَانِیۡ یعنی اُس خدا کا شکر کرتا ہے جس نے اُس نجاست سے اُس کو پاک کر دیا ہے۔

اب ویدک دھرم کے سو برس کے بُڈھے کو دیکھیے اُس کو پیشاب کی ضرورت ہوتی ہے؛ نہ وہ ڈھیلا تلاش کرے گا، نہ پانی لے گا، نہ کسی پوشیدہ جگہ۔ سب کے سامنے سڑک پر دھوتی کھول کر مُوت کے ویسے ہی کھڑا ہو جائے گا؛ تو لا جائے تو چھٹنکیوں اُس کی دھوتی میں پیشاب ہو گا۔ اُس کو پاخانہ لگا ایک لٹیا میں آدھی چھٹانک پانی لے کر چل دیا پاخانہ پھر کر اُس پانی سے بجائے پاک کرنے کے اور لیس لیا اور اُسی ہاتھ سے لُٹیا بھی ناپاک ہوئی اور وہی لُٹیا لے کے کوئیں پر آئے زمین سے مٹی لے کر اب اُن کو اس سے غرض نہیں کہ یہاں کسی نے مُوتا ہے یا آدمی نے پیشاب کیا ہے۔ اُس لٹیا کو سان لیا اور کوئیں میں غڑپ کر دیا سارا کنواں بھی ناپاک کر دیا۔ دیکھا یہ ہے ویدک دھرم کی تعلیم۔ وید اپنے بھگت کو جس نے سو (۱۰۰) برس تک اُس کی سیوا کی ہے اتنا بھی نہ بتا سکا کہ پاخانہ، پیشاب شدھ ہے یا اشدھ، پوتر ہے یا اپوتر پاک ہے یا ناپاک؛ بخلاف مذہبِ اسلام کے کہ اُس نے چار برس کے بچے کو پاکی کا وہ نفیس طریقہ بتایا ہے جو ابھی آپ نے سُنا۔

میدانِ تبلیغ میں ایک آریہ نے مجھ سے اعتراض کیا تھا کہ ساری سرِشٹی پر میشور کی طرف سے ہند و پیدا ہوتی ہے تم اُسے مسلمان کر لیتے ہو میں نے کہا یہ کیسے کہنے لگا سب کے کھال لگی رہتی ہے تم اُس کی مسلمانی کر لیتے ہو میں نے کہا واہ واہ پنڈت جی، آپ نے بڑی کرپا کی، اپنے دھرم کی حقیقت میرے سامنے بیان کر دی۔ آپ نے جتا دیا کہ ہند و دھرم ایسا پوتر ہے کہ اُس کی علامت لگانے کے لیے پر مشیور کو کوئی جگہ ہی مناسب نہ معلوم ہوئی سوا پیشاب کے مقام کے۔ پنڈت جی اس پر بہت بگڑے؛ کہنے لگے پر میشور نے جس چیز کو جیسا پیدا کیا اُس کو ویسا ہی رکھنا چاہیے۔ میں نے کہا آپ جب پیدا ہوئے تھے آپ کے نال بھی تو لگا تھا، کیوں کاٹ کے پھینک دیا؟ لگا رہنے دیتے پیچھے کی بجائے آگے دم رہتی وہ بھی تو پر میشور ہی کا پیدا کیا ہوا تھا۔ کہنے لگے وہ تو کاٹنے ہی کی چیز تھی میں نے کہا وہ کھال بھی کاٹنے ہی کی چیز تھی۔ جناب آدمی جب پیشاب کرتا ہے تو کچھ قطرے اُس کھال میں رہ جاتے ہیں جب چلتا ہے اور حرکت ہوتی ہے تو نکل کر اُس کی دھوتی اور پائجامہ کو ناپاک کر دیتے ہیں؛ اسلام چونکہ پاک ہے اور پاک خدا تک پہنچا دیتا ہے اس لیے اُس نے بتایا کہ اُس کھال کو کاٹ دو کہ تمہارے پیشاب کا راستہ صاف ہو جائے اور تمہارے کپڑے پاک رہیں۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیں، پنڈت جی خاموش ہو گئے۔

یہ ہے اسلام کی حقّانیت کہ وہ اس طرح اپنے حلقہ بگوشوں کو پاکی کی تعلیم دیتا ہے اور اُن کو پاک بنا کر پاک طریقے پر چلا کر پاک خدا کی پاک بارگاہ تک پہنچا دیتا ہے۔ عالم کے مذاہب آئیں اور اسلام کی اس ایک ادا سے مقابلہ کر دیکھیں یہ ہے: اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ جس کو فرمایا گیا کہ بے شک پاک خدا سے پاک طریقے پر پاک کر کے ملا دینے والا۔ دنیا جہان میں جگ سنسار میں اگر کوئی مت ہے، اگر کوئی مذہب ہے، اگر کوئی دھرم، اگر کوئی دین ہے، تو وہ ایک پیارا اسلام ہے۔

اب دوسری دلیل سُنیے: تھوڑی سی عقل والا بھی اپنی بدّھی پر زور دیکر اپنے گیان سے سوچ وچار کر کے اس بات کو جان سکتا ہے کہ

جو مذہب تمام دنیا کے لیے آیا ہو جو دھرم ساری سر شٹی کے لیے اُپتّت کیا گیا ہے اُس کے اصول، اُس کے قواعد، اُس کے قوانین، اُس کے سدّھانت ایسے ہونے چاہئیں جن پر تمام عالم ہر آدمی ہر منش آسانی سے عمل کر سکے۔ وید ہمیں یہ بتاتا ہے کہ پرمیشور کی پوجا کا طریقہ ہَوَن گرنا ہے۔ ہَوَن اس کا نام ہے کہ ویدی بنا کر اُس میں آگ جلائی جائے اور وہ میوہ اور گھی جو خدا نے ہم کو کھانے کے واسطے عطا فرمایا ہے آگ میں ڈال کر بھسم کر دیے جائیں۔ اول تو یہ طریقہ بالکل عقل کے خلاف ہے کہ کھانے کی چیزوں کو نہ اپنے آپ کھائے نہ کوئی محتاج اُن سے فائدہ اُٹھائے؛ بلکہ آگ میں جلادی جائیں۔ کہیے اس میں پرمیشور کی کیا عبادت ہوئی۔ دوسرے یہ کہ پنڈت دیانند بانی آریہ دھرم ستیارتھ پرکاش تیسرے سمولاس میں لکھتے ہیں کہ ہر شخص کو روزانہ دونوں وقت کم از کم آٹھ آٹھ تولے گھی جلانا چاہیے۔ میں پوچھتا ہوں ایک آریہ سخت غریب اور کنگال ہے اُس کو کھانے کے لیے بھی رتی بھر گھی نہیں ملتا تو وہ روزانہ آٹھ تولے گھی کہاں سے لا کر پرمیشور کی پوجا کر سکے گا؟ کیا وید اُس پر فرض کرے گا کہ وہ چوری کر کے یا ڈاکہ مار کے چار ماشہ گھی مہیّا کرے اور اپنے پرمیشور کو پوجے۔ یا فرض کیجیے ایک شخص جنگل میں ہے دیا سلائی یا اور کوئی طریقہ آگ سُلگانے کا اُس کے پاس نہیں وہ کیوں کر اپنے مالک کی عبادت کرے تو معلوم ہوا کہ ویدک دھرم پر سری سر شٹی عمل نہیں کر سکتی ہے؛ بخلاف مذہب اسلام کے کہ وہ فرماتا ہے نہ تم پاگلوں کی طرح میوہ آگ میں جلاؤ، نہ گھی جلا کر ہوا میں دُر گند و چراہند پیدا کرو؛ بلکہ جب نماز کا وقت آئے پانی سے اپنے ہاتھ، مُنھ، پیر، سر کو پاک کر کے خدائے واحد قدوس کے حضور اُس کی عبادت کے لیے کھڑے ہو جاؤ؛ پانی نہ ملے تو مٹی اور مٹی کی جنس کی تمام چیزیں پاک اور پاک کر دینے والی بنادی گئی ہیں۔ کوئی ضرورت پانی کی نہیں اُنہیں سے تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہو اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں بیٹھ کر پڑھ سکتے ہو بیٹھنے کی قوّت نہیں لیٹ کر پڑھ سکتے ہو۔

دیکھیے یہ ہے اسلام کی تعلیم کہ ہر شخص اس پیارے مذہب میں اپنے خدا کی عبادت کر سکتا ہے اسی کو فرمایا گیا اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ اْلاِسْلَامُ کہ اگر کوئی عالمگیر مذہب ہے، اگر کوئی دین تمام دنیا کو اپنے دامنِ رحمت میں لینے کی طاقت رکھتا ہے تو وہ پیارا مذہب اسلام ہے جو امیر، غیرب، مالدار، مفلس، طاقتور، کمزور تندرست، بیمار، سب کو خداوند قدوس کے دربار میں یکساں حاضر کر دیتا ہے؛ بخلاف دید کے کہ امیروں کے سوا غریب اُس پر عمل نہیں کر سکتا۔

تیسری دلیل ملاحظہ فرمایئے: ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب جب قبول کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ صرف یہی ہوتی ہے کہ یہ دھرم، یہ مذہب ہم کو اگلی زندگی میں نجات، آزادی مُکتی مُوکش دلادے گا اس کے لیے ہمیں پہلے یہ دیکھنا ہے کہ جس مذہب کو ہم قبول، جس دھرم کو ہم گرہن کرنا چاہتے ہیں آیا وہ ہماری نجات کا ذمّہ لیتا بھی ہے یا نہیں اور اگر لیتا ہے تو اپنے اس قول میں سچا ہے یا نہیں؛ مگر ویدک دھرم تو ہماری نجات دلانے سے خاموش رہنا در کنار صاف صاف انکار کر رہا ہے۔ پنڈت دیانند ستیارتھ پرکاش کے ساتویں سملاس صفحہ ۲۰۸ میں لکھتے ہیں: ”پرمیشور اپنے بھگتوں کے پاپ معاف کرے تو اُس کا انصاف جاتا رہے۔“ اب تو آپ نے سمجھ ہی لیا وید کو نہ ماننا آپ کے نزدیک پاپ ہے اب آپ نے اس کی شدھی کی وہ وید کو ماننے لگا اُس کے سدھانتوں پر چلنے لگا ایشور کا بھگت ہو گیا مگر اُس کو فائدہ کیا ہوا اُس کا وید کو نہ ماننے کا پاپ ویسے کا ویسا ہی باقی رہا پھر ویدک دھرم سے کیا نفع پہنچ سکتا ہے۔ اب تو ویدک دھرم نجات دلانے سے صاف انکار کر رہا ہے بخلاف اسلام کے کہ وہ فرماتا ہے۔

مَنْ تَابَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنَاتٍ

ترجمہ: جو شخص توبہ کر لے اور اچھے کام کرے تو اللہ تعالیٰ اُن کے بُرے کاموں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔

دیکھیے یہ ہے اسلام کی رحمت والی ندا کہ بآواز بلند فرما رہا ہے کہ تم بھنگی ہو یا چمار ہو، شُودر ہو یا مَلِکش ہو، پاپی ہو یا مہاپاپی ہو، ناستک ہو یا ادھرمی ہو؛ کیسے ہی گنہگار ہو، کیسے ہی روسیاہ ہو، کیسے ہی سیاہ کار ہو، کیسے ہی کافر، مشرک بُت پرست ہو؛ آؤ میرے رحمت والے دامنوں میں چھپ جاؤ، میرا پاک کلمہ پڑھو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلّے اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ وسلّم پھر تمہارا نجات دلانا میرا ذمّہ، نجات تو نجات تمہارے گناہوں کو نیکیوں سے بدلوا دوں گا۔ اسی کو فرمایا گیا: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ کہ دنیا میں اگر کوئی مذہب نجات دلانے والا ہے تو وہ ایک پیارا مذہب اسلام ہے۔

چوتھی دلیل سُنیے: ایک پادری، ایک یہودی، ایک آریہ اور ایک مسلمان سب مِل کر مشورہ کریں کہ جاپان یا چین چل کر اپنے اپنے مذہب کی اشاعت کریں؛ مگر شرط یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص کوئی کتاب نہ لے جائے۔ پادری صاحب تو ہٹ جائیں گے اور کہیں گے صاحبو؛ مجھے بائبل یاد نہیں؛ میں بغیر کتاب کے اپنا مذہب کیوں کر پھیلا سکوں گا؟ یہودی کہے گا مجھے توریت یاد نہیں؛ میں بھی اس شرط سے مجبور ہوں اور پنڈت جی کو تو ایک عجیب حیرانی پریشانی سوار ہو جائے گی اور کہیں گے صاحبو چار ویدوں میں مجھے ایک بھی یاد نہیں؛ مگر مسلمان کا ایک آٹھ برس کا بچّہ کھڑا ہو گا اور کہہ دے گا ہاں اے پادری صاحب تم نہ جاؤ اور اے پنڈت جی تم بھی نہ جاؤ مگر میں ایک اسلامی فرزند تیار ہوں مجھے کسی کتاب کی ضرورت نہیں میرے پیارے مذہب کی پیاری کتاب میری سینے میں موجود ہے اور وہاں جا کر بسم اللہ پڑھ کر الحمد سے والناس تک سارا قرآن عظیم سنا کر اپنے پیارے مذہب کی اشاعت کرنے لگے گا۔ یہ ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الْاِسْلَامُ کہ بے شک اگر کوئی مذہب عالم کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ پر اپنی سلطنت و شہنشاہی کر سکتا ہے تو وہ ایک پیارا مذہب اسلام ہے۔

پانچویں دلیل ملاحظہ کیجیے: یہ تو اسلام کا دعویٰ ہے کہ میں حق اور سچّا مذہب ہوں میں ستیہ دھرم اور پرم دھرم ہوں جو منش جو آدمی مجھے نہ قبول کرے مجھے نہ گرہن کرے مجھے چھوڑ دے مجھے تیاگ دے وہ کافر، ملحد، ناستک ادھرمی ہے جہنم، دوزخ، گھور نرگ میں پڑے گا۔ مگر ہر دعوے کے لیے گواہ ہونے ضرور ہیں اسلام بھی اپنے دعوے کی سچّائی پر قرآنِ پاک کو گواہ پیش کرتا ہے۔

اب ذرا قرآن اور وید کا مقابلہ کر دیکھیے۔ اوّل تو ویدوں میں کس قدر تغیر و تبدّل ہوا ہے پنڈت دیانند ستیار تھ پر کاش گیارہویں سملاس صفحہ ۳۷۰ پر اس بات کا اقراری ہے کہ رگوید کی اکیس شاخیں تھیں، یجروید کی ایک سو ایک، سام وید کی ایک ہزار، اتھرو وید کی نو، اُن میں سے تھوڑی ملتی ہیں بقیہ گُم ہو گئی ہیں۔ لیجیے جس کتاب کو ایشوری گیان کہا جاتا ہے اُس کا ٹھکانا نہیں رہا۔ یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ کتنا ان میں سے کم ہوا ہے اور کتنا زائد۔ دوسری بات یہ ہے کہ آج تمام عالم کے آریوں کو چیلنج ہے، آئیں اور اپنے ویدوں کی اگنی وایو آدیتہ انگرا تک سند تو بیان کریں کہ اُن رشیوں سے ان آریوں تک کس کس ذریعے کس کس وسیلے سے وید پہنچے اور وہ وسائل معتبر؛ تھے یا غیر معتبر؛ مگر بحمدہٖ تعالیٰ کسی میں یہ ہمّت نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے کہ ویدوں کی رشیوں تک اسناد پیش کر سکے، بخلاف قرآنِ عظیم کے کہ آج بفضلہٖ تعالیٰ ہر عالمِ دین، ہر قاری قرآن پاک کی سند اپنے استاذ سے لے کر حضورِ اقدس سیّدِ عالم ﷺ تک بلکہ خود رب العٰلمین جلّ جلالہٗ تک بیان کر سکتا ہے اور یہ بتا سکتا ہے کہ فلاں نے فلاں سے پڑھا اور اُس نے فلاں سے پڑھا حتیٰ کہ اس نے حضور سیّدِ عالم ﷺ سے اور حضور نے جبریل امین علیہ السلام سے اور انہوں نے رب العٰلمین سے۔ پھر حفاظت کا طریقہ وہ رکھا ہے کہ دُنیا زمانے سے نرالا، پتھر ٹوٹ سکتے ہیں، کاغذ گَل سکتا ہے، لکڑی کے ٹکڑے جل سکتے ہیں، لوہا، پیتل یا اور دھات زمین کھا سکتی ہے؛ مگر قرآنِ پاک ان سب سے علاوہ سینوں میں محفوظ رکھا گیا؛ جہاں نہ چور چُرا سکے نہ ڈاکو لُوٹ سکے۔ پھر اس کے جلوے دیکھیے تو عالم کے اقطار و اکناف کو منور کر رکھا ہے۔ مسلمان تو مسلمان، کفار کے گھروں میں بھی موجود ہے۔ ترجمے اس کے اردو، فارسی، پشتو، پنجابی، بنگالی، گجراتی، بھاشا، سنسکرت، انگریزی، جرمنی، لاطینی، اطالوی، ترکی غرض ہر زبان میں موجود ہیں؛ بخلاف وید کہ وہ اب تک اپنی کال کوٹھری سے باہر نکلا ہی نہیں۔ آریہ دھرم کے موافق اُس کا صحیح ترجمہ اب تک کسی زبان میں ہوا ہی نہیں۔ پھر قرآنِ مقدس کی اشاعت دیکھیے تو وہ بھی اپنی نرالی شان، انوکھی آن رکھتی ہے۔ اوّل تو ہر مسلمان پر ہر روز پانچ وقت بیس ۲۰ رکعتوں میں قرآنِ عظیم کا کچھ حصّہ پڑھنا فرض فرما دیا سُنتیں اور نفل اس کے علاوہ ہیں اور پھر سال بھر میں ایک خاص مہینہ اس کی اشاعت کے لیے مقرر کر دیا گیا جس کا نام رمضان مبارک ہے۔ اللہ اللہ اس مبارک مہینے کی آمد کا مسلمان کس شوق، کیسے ذوق سے انتظار کرتے ہیں۔ ۲۹ر شعبان ہے، مغرب کا وقت ہے؛ مسلمان اس شوق میں کہ قرآنِ پاک کے سننے کا زمانہ آگیا ہے، مطلع پر نگاہیں دوڑا رہے ہیں اور مثل تلاش محبوب گُم شدہ ہلال رمضان کی جستجو میں نہایت بے قراری کے ساتھ نظریں آسمان پر چکّر لگا رہی ہیں کہ یکبارگی چاند نظر آیا اور بے ساختہ سب کی زبان سے نکل گیا "چاند مبارک"۔ اب کیا تھا، چہل پہل

ہونے لگی، دھومیں مچ گئیں، تمنائیں مزے پر ہیں، اُمنگیں جوش پر ہیں، قرآنِ پاک سُننے کا شوق ہے کہ بڑے سے لے کر چھوٹے تک بُڈھے سے لے کر بچّے تک ہر ایک کے دل کا چین اور جان کا آرام ہے۔ اب اسلام کا حکم ہے کہ دن کو روزہ رکھو؛ کھانے، پینے، جماع، غرض نفسانی لذّاتِ ثلاثہ سے باز رہو کہ تمھارا قلب پاک ہو جائے؛ اُس میں روحانیت پیدا ہو، اُس کے بعد قرآنِ پاک سنو تا کہ اُس کے فیوض و انوار سے مستنیر و مستفیض ہو سکو۔ شام کا وقت ہے، دن بھر کے بھوکے پیاسوں تھکے ہاروں نے روزہ کھولا ہے؛ کچھ تھوڑا سا کھایا پیا ہے؛ نفس کہتا ہے ذرا آرام کرو چارپائی پر لیٹے ہیں جی اُٹھنے کو نہیں چاہتا کہ ناگاہ مؤذن اذان دیتا ہے آرام وراحت پر لات مار کر نفس کو ملامت کرتے ہوئے قرآنِ پاک کے عاشق دوڑے چلے جارہے ہیں کلام ربانی کا عشق ہے کہ اپنے متوالوں کو بیتاب کیے ہوئے دربارِ الٰہی تک لیے جارہا ہے اب مسجد میں پہنچے اسلام نے حکم دیا کہ پہلے وضو کرو یعنی پاک ہو لو پھر فرض ادا کرو کہ اُس کی نورانیت سے تمہارا قلب منور ہو جائے اور پھر دو سنتیں پڑھو اُس پیارے آقا ئے نامدار محبوب کردگار سرکار ابد قرار مالک ومختار شہنشاہِ تاجدار سیدنا محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی یاد میں جن کے مبارک ہاتھوں سے یہ قرآن تمھیں ملا اب اس کے بعد ایک امام کھڑا ہوتا ہے تمام مقتدی اُس کے پیچھے خداوند قدوس کے حضور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اب سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ کا فرمان شہنشاہ مقتدر کا کلام پڑھا جارہا ہے؛ اُس کے بندے حضورِ قلب سے مؤدب ہاتھ باندھے کھڑے ہوئے سُن رہے ہیں؛ اب اس وقت نہ اُنہیں اپنی اولاد کا خیال ہے، نہ مال کا، نہ اپنے اعزّا اقربا کا۔ قرآن ہے اور اُن کے ایمان کی جان ہے اور جان کا ایمان ہے۔ ایک مہینے میں اگر شمار کیا جائے تو اسلامی دنیا میں لاکھوں بلکہ کروڑوں قرآنِ پاک ختم ہو جاتے ہیں اَلْعَظَمَۃُ لِلّٰہِ کیا کوئی مذہب اسلام کے مقابل اپنی کتاب کی اپنے ماننے والوں میں ایسی جلالت وسطوت ایسی اشاعت بتا سکتا ہے؟ حاشا یہ ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ کہ اگر کوئی مذہب عالمگیر ہو کر دنیا میں آیا ہے تو وہ ایک پیارا مذہب اسلام ہے۔ قرآنِ پاک میں کمی بیشی ہونا تو درکنار ایک نقطے کی کمی زیادتی اپنے مقام سے تغیر تبدل نہ کبھی ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ یہ ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ کہ اگر کوئی مذہب الٰہی فرمان کو اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے تو وہ ایک پیارا مذہب اسلام ہے۔

چھٹی دلیل سُنیے: ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں کسی آدمی سے بات نہیں کرنا چاہتا ہوں؛ نہ پنڈت جی بولیں، نہ مولوی صاحب۔ میں دونوں کی کتابوں سے سوالات کرتا ہوں جس کی کتاب میرے جوابات دے دیگی میں اُسی کو مانوں گا۔ اب وہ وید سے پوچھتا ہے وید بھگوان آپ ہمیں اُپدیش دیجیے؛ آپ ہمیں بتایے کہ آپ کس کا کلام ہیں، تو وید کے اندر کہیں اس کا ذکر ہی نہیں کہ وید ایشوری الہام ہے وید مہاراج خاموش ہیں؛ وہ پوچھتا ہے آپ کی حقانیت پر کیا دلیل ہے تو وید خاموش؛ وہ پوچھتا ہے جیسے آپ پہلے تھے ویسے اب بھی ہیں یا کچھ فرق ہو گیا ہے، تو وید خاموش؛ مگر پنڈت دیانند اپنے وید کو خاموش دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ ہاں ویدوں کی بہت سی شاخیں گم ہو گئی ہیں جن کا پتہ نہیں۔ وہ پوچھتا ہے آپ کس پر نازل ہوئے تو وید خاموش؛ وہ پوچھتا ہے جس پر آپ اُترے اُس کے اوصاف بیان کیجیے تو وید خاموش؛ وہ پوچھتا ہے آپ کی باتیں یقینی ہیں یا اُن میں شک بھی ہو سکتا ہے، تو وید خاموش؛ وہ پوچھتا ہے آپ سنسار میں کس کا رن سے کس لیے پدھارے ہیں، تو وید خاموش؛ وہ پوچھتا ہے ہم اپنے پرمیشور کی پوجا کیسے کریں، تو وید خاموش؛ وہ پوچھتا ہے کون سا مذہب، کون سا دین سچا ہے، تو وید خاموش؛ وہ پوچھتا ہے جو لوگ آپ کو مانیں اُن کو کیا ملے گا اور جو نہ مانیں اُن کو کیا سزا بھگتنی ہو گی، تو وید خاموش؛ غرض وید میں کسی بات کا ذکر نہیں، نام نہیں۔ وہ شخص خوشامد کرتے کرتے بنتی کرتے کرتے پیّاں پڑتے پڑتے ہاتھ جوڑتے جوڑتے تھک گیا مگر وید بھگوان کی چُپ نہ ٹوٹنی تھی نہ ٹوٹی۔ اب وید سے مایوس ہو کر قرآنِ پاک کے دربار میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے اے پیارے قرآن آپ ہمیں بتایے کہ آپ کس کا کلام ہیں تو وہ فرماتا ہے: تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں رب العلمین کا اُتارا ہوا اُس کا کلام ہوں۔ وہ پوچھتا ہے آپ کی حقّانیت پر کیا دلیل ہے تو وہ فرماتا ہے: وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ یعنی دنیا میں دو ہی قسم کی چیزیں ایک انسان کی بنائی ہوئی ایک خدا کی پیدا کی ہوئی۔ انسان کی بنائی ہوئی چیز خواہ وہ کوئی کلام ہو یا کمال غرض اُس کا مثل انسان بنا سکتا ہے اور کوئی انسان آدمی کی بنائی ہوئی چیز کے بے مثل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور

اگر کرے گا تو فوراً دوسرا انسان اُس کے مثل بنا کر اُس کے دعوے کو غلط ثابت کر دے گا۔ غالبؔ جو زبانِ اُردو کا مجدّد سمجھا جاتا ہے وہ ایک سہرا کہتا ہے اور مقطع میں اُس کی بے مثلی کا دعویٰ کر دیتا ہے اور کہتا ہے ؎

ہم سخن فہم ہیں غالبؔ کے طرف دار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہرا

دوسرے ہی دن حضرت ذوقؔ رحمہ اللہ اُس سے عمدہ سہرا بنا کر پیش کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

جس کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سُنا دو اُس کو
دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخن ور سہرا

غالبؔ مان لیتا ہے اور اپنا دعویٰ واپس لیتا ہے، معافی مانگتا ہے اور کہتا ہے ؎

منظور تھا گزارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حُسنِ طبیعت نہیں مجھے
مقطع میں آپڑی تھی سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبّت نہیں مجھے
اُستاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

غرض اسی طرح تمام مصنوعات انسانی میں کسی چیز کی بے مثلی کا دعویٰ نہیں ہو سکتا اور اگر ہو تو فوراً دوسرا اُس کے مثل بلکہ اُس سے بڑھ کر بنا دے گا اور اُس دعوے کو غلط ثابت کر دے گا اور دوسری قسم وہ چیزیں ہیں جو خدا کی بنائی ہوئی ہیں اُن کا مثل انسان نہیں بنا سکتا۔ عالم کے کاریگروں، اُستادوں، پادریوں، پنڈتوں، گیانیوں مہا گیانیوں، عالموں، سائنسدانوں سب مردوں، عورتوں، بچّوں، جوانوں، بُڈھوں، پرشوں، استریوں، پنسنکوں سب کو جمع کر لو اور ایک پیڑ کا پتّا توڑ کر اُن کے سامنے پیش کرو اور اُن سب کو چیلنج دو کہ یہ پتّا بے مثل ہے اور اگر بے مثل نہیں تو تم میرے دعوے کو غلط ثابت کر دو۔ سارا جہان مل کر اپنی پوری طاقت صرف کر کے اس پتّے کا مثل بنا دو وہ سب حیران ہو جائیں گے، پریشان ہو جائیں گے، کوشش کرتے کرتے تھک جائیں گے، مر جائیں گے، مٹ جائیں گے، فنا ہو جائیں گے، سڑ جائیں گے، گل جائیں گے مگر اُس پتّے کا مثل نہیں بنا سکیں گے؛ کیوں اس لیے کہ وہ پتّا خدا کا بنایا ہوا ہے اور خدا کی بنائی چیز کا مثل انسان نہیں بنا سکتا۔ بس یہی میری حقّانیت کی آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے جس کے جگمگاتے جلووں کے آگے سورج کی آنکھیں بھی ماند ہیں۔ تیرہ سو برس سے میرا یہ دعویٰ تمام عالم کے سامنے فصحا و بلغائے عرب کے آگے پیش ہے کہ اگر تمہیں میرے کلامِ الٰہی ہونے میں شک ہے؛ بلکہ تم یہ کہتے ہو کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کی بنائی ہوئی چیز کے مثل انسان بنا سکتا ہے تو تم تمام عالم سارا جہان مل کر میرے مقابل میری ایک چھوٹی ہی سی سورت کا مثل بنا کر پیش کر دو؛ یہ زبردست بُرہان ہے، جس کے جواب سے زمانہ ہمیشہ سے عاجز ہے اور عاجز رہے گا۔ یہ وہ تحدی ہے؛ یہ وہ معارضہ تھا جس کی ہیبت نے ہاتھوں سے قلم چُھڑا دیے، بولنے والی زبانیں ساکت، بلکہ گونگی ہو گئیں، قلم کی جگہ ہاتھ میں تلوار لینا پڑی اور میری ایک آیت کا نظیر پیش کرنے کے بدلے میرے دشمن خون کی ندیاں بہانے کے لیے تیار ہو گئے۔ بلغائے عرب کی ہمتیں پست پڑ گئیں اور انہوں نے عملی طور پر اپنے عجز کا اعتراف کیا اور اب تک زمانہ میری ایک سورت کا مثل پیش کرنے سے عاجز ہے تو کیا آفتاب سے زیادہ روشن طور پر ثابت نہ ہو لیا کہ میں ہرگز کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہوں؛ بلکہ اُس خدائے واحد قدوس جل جلالہٗ کا کلام ہوں جس کی ہر چیز بے مثل و بے نظیر ہے۔ وہ پوچھتا ہے آپ کے اندر کوئی تغیّر و تبدّل تو نہیں ہوا تو قرآن فرماتا ہے: اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ میری حفاظت خود میرا نازل کرنے والا اللہ عزّوجل کر رہا ہے۔ مجھ میں ایک حرف زیر، زبر، نقطے تک کی کمی زیادتی، تغیّر تبدّل محال اور ناممکن ہے۔ وہ پوچھتا ہے آپ کس پر نازل ہوئے تو قرآن فرماتا ہے نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ میں محمد ﷺ پر نازل ہوا ہوں۔ وہ پوچھتا ہے جس پر آپ نازل ہوئے اُس کے اوصاف بیان کیجیے تو قرآن فرماتا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ وہ بڑے عظیم خلق پر ہیں۔ اُن کے اوصافِ کریمہ کا خلاصہ اتنا ہی سمجھ لو کہ وہ عظیم ہیں؛ تمہاری عقل سے وراہیں؛ اُنہیں ان کے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسی قسم کی صدہا آیات ہیں؛ اُنہیں پڑھ لو۔ وہ پوچھتا ہے اُن کا مرتبہ اُن کے رب کے حضور کتنا ہے؟ قرآن فرماتا ہے: وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی اتنا ہی سمجھ لو کہ وہ خدا کے ایسے محبوب ہیں کہ خود خدا اُن کا رضا جو

ہے اُن کی مرضی کے موافق تمام نظامِ دنیا و انتظامِ آخرت ہوا اور ہے اور ہوگا۔ وہ پوچھتا ہے ہم خدا کی اطاعت کیسے کریں تو قرآن فرماتا ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُن کا مرتبہ کیا پوچھتے ہو خلاصہ اتنا سمجھ لو کہ اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ وہ پوچھتا ہے آپ کہاں اُترے تو قرآن فرماتا ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا میں عربی ہوں؛ عرب شریف میں اُترا ہوں۔ وہ پوچھتا ہے آپ کس مہینے میں نازل ہوئے تو قرآن فرماتا ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ میں پہلی بار جب دنیا میں تشریف لایا ہوں تو رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ وہ پوچھتا ہے آپ پہلے پہل رات کو تشریف فرما ہوئے تھے یا دن کو تو قرآن فرماتا ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ میں شبِ قدر میں اُترا ہوں۔ وہ پوچھتا ہے کونسی تاریخ تھی تو قرآن تین بار لَيْلَةُ الْقَدْرِ فرما کر اشارہ فرمادیتا ہے کہ لیلۃ القدر میں ۹ حروف ہیں ۹ کو ۳ میں ضرب دینے سے ۲۷ ہوتے ہیں۔ یعنی ۲۷ر رمضان مبارک شب قدر میں پہلی بار میرا نزول ہوا۔ وہ پوچھتا ہے آپ ایک ہی بار سب کا سب کیوں نازل نہیں ہوگئے؟ تھوڑا تھوڑا کرکے کیوں تشریف لائے؟ قرآن فرماتا ہے: لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ اس لیے کہ خدا کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ مجھے آسانی سے یاد فرمالیں؛ یاد کرنے میں انہیں تکلیف نہ ہو۔ وہ پوچھتا ہے آپ کی باتیں یقینی ہیں یا نہیں؟ قرآن فرماتا ہے: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ میں وہ بلند رتبہ کتاب ہوں کہ مجھ میں شک وشبہ کو گنجائش ہی نہیں۔ وہ پوچھتا ہے آپ کس لیے تشریف لائے ہیں؟ قرآن فرماتا ہے: هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ میں ڈر والوں کو ہدایت کرنے کے لیے تشریف لایا ہوں۔ وہ پوچھتا ہے ہم خدا کی عبادت کس طرح کریں؟ قرآن فرماتا ہے: اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ۔ وَعَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ۔ نماز پڑھو، زکوۃ دو، روزہ رکھو، حج بیت اللہ کرو؛ یہ خدا کی عبادت کے طریقے ہیں۔ وہ پوچھتا ہے ہم آپ کے پاس کیوں کر آسکتے ہیں؟ قرآن فرماتا ہے: لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ میرے پاس اگر آنا چاہو تو پہلے خوب پاک ہو لو؛ بغیر پاک ہوئے مجھے ہاتھ نہیں لگاسکتے۔ وہ پوچھتا ہے کونسا دین سچّا ہے تو قرآن فرماتا ہے: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ بے شک اللہ کے نزدیک سچّا دین اسلام ہے۔ وہ پوچھتا ہے آپ کو ماننے کی کیا جزا اور نہ ماننے کی کیا سزا ہے تو قرآن فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا۔ جو لوگ مجھے مانتے ہیں مجھ پر ایمان لاتے ہیں اُن کی مہمانی جنّت الفردوس ہے وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے؛ کبھی نکلنے کے نہیں۔ اور فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ۔ جو لوگ مجھے نہیں مانتے ہیں؛ میرے ساتھ کفر کرتے ہیں، خواہ وہ نصاریٰ و یہود ہوں یا مجوس و آریہ و ہنود یا اور مرتدین عنود سب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ تمام مخلوقات سے بدتر ہیں۔ اور فرماتا ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ جو لوگ زبان سے میرے ماننے کا دعویٰ کریں اور باطن میں مجھ سے انکار رکھیں ان سب کا ٹھکانا جہنّم ہے۔ جیسے میں مشرکین کی دوستی کو حرام بتاؤں اور یہ لوگ اُسے حلال ٹھہرائیں؛ میں مشرکین کو شر البریہ فرماؤں اور یہ لوگ اُسے لیڈر، رہبر، رہنما، امام، مہاتما بالقوۃ نبی مذکر مبعوث من اللہ وغیرہ کہیں یہ اور اس قسم کے سب لوگ وہابیہ، گاندھویہ، نیچریہ، روافض، قادیانیہ، چکڑالویہ سب کے سب منافق ہیں اور ان سب کا ٹھکانا جہنّم ہے۔

مسلمان بھائیو! دیکھا آپ نے قرآن مقدس نے تمام سوالات کے جوابات دے دیے اور وید کی مُہر نہ کُھلی نہ کُھلے۔ اب فرمایئے وہ شخص مسلمان ہوگا یا نہیں؟ ضرور ہوگا اس لیے کہ اُس کے تمام شرائط قرآن پاک نے پورے فرمادیے ہیں۔ یہ ہے: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ دُنیا جہان میں، جگ سنسار میں خدا کے نزدیک سچّا مذہب، ستیہ دھرم ایک دین اسلام ہے۔

پیارے بھائیو دیکھا آپ نے یہ ہے ہمارا پیارا مذہب جس کی حقّانیت کے جگمگائے آفتاب کے حضور تمام خُفاشانِ مذاہبِ باطلہ کی آنکھیں خیرہ اور بے بصارت ہیں؛ جس کی بارگاہِ صولت پناہ کی دہلیزِ سطوت پر آج دنیا کے مذاہب و اَدیان اپنی جبین خم کرنے پر مجبور ہیں۔ افسوس، آج اُس پاک مقدس دین پر ایسے سڑیل مذہب والے ایسے ناپاک حملے کریں اور مسلمان یوں خاموش رہیں! آہ، کیا تم ایسے بے غیرت ہوگئے ہیہات کیا تمہارے اندر اپنے سچّے مذہب کا ایسا بھی درد

نہیں جیسا باطل پرستوں کو اپنے جھوٹے دھرم کا ہے؟ کیا تمہارے دل واقعی مُردہ ہو چکے ہیں؟ کیا اب بھی تمہاری رگِ حمیّت وغیرہ نہیں پھڑ کے گی؟ اگر ہاں واقعی ایسا ہی ہے تو بہتر یہ ہے کہ مرنے سے پہلے مر جاؤ اور چلو قبر کے اندر سور ہو ایسی بے غیرت زندگی مرنے سے بدتر ہے کہ اپنے پیارے دین، پیارے قرآن، پیارے رسول، پیارے رحمان کی مقدّس شان میں ایسے ملعون کلمے سُنیں، باغ اسلام کو یوں لٹتا دیکھیں اور دم سادھے بیٹھیں رہیں۔ اُٹھو، جاگو، ہوشیار، بیدار ہو بہت سوچ کے سونے کا نتیجہ بھی بھگت چکے۔ کیا تم ابھی اپنی پاداش کو نہیں پہنچے برائے خدا اب ہندوؤں سے ہوشیار ہو اُن سے نفرت کرو، اُن سے اتحاد و داد توڑو، اپنا رشتہ پیارے اسلام سے جوڑو، مشرکین سے اپنا تعلق توڑو۔ کیا اب اُس وقت کا انتظار ہے جب معاذاللہ اسلام کا لہلہاتا باغ خدانا کردہ تمہاری آنکھوں کے سامنے اُجاڑ ڈالا جائے، اُس کی بُلبُلوں کو ذبح کر دیا جائے، اُس کے غنچوں کو مَسَل کر پھینک دیا جائے، اُس کے پھول پتیاں سب ایک دم سے کمہلا جائیں۔ اُٹھو، اللہ پھر رسول جل وعلاو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھروسہ کرکے دینِ الٰہی کی حمایت کے لیے کمرِ ہمّت چُست باندھو۔ آج اعدائے دین تمہارے اس پیارے مذہبِ اسلام کے مٹانے کے لیے اپنے سونے چاندی کو پانی کی طرح بہا رہے ہیں۔ تم بھی تیار ہو جاؤ اور جو جماعت رضائے مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے کام کر رہی ہے، جو جماعت کفّار کی تمام تر مساعی ضارہ کے باطل کرنے میں کوشش کر رہی ہے، جس کا وفد اسلام مردانہ وار اللہ اکبر یا رسول اللہ کہہ کر دشمنوں کے نرغے میں کود پڑا ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ مولیٰ عزوجل اور اُس کے حبیب اکمل نے اُسے امید سے زیادہ فتح و نصرت بھی عطا فرمائی ہے؛ دامے، درمے، قدمے، قلمے، سخنے اُس کی امداد و اعانت کرو۔ مولیٰ عزوجل آپ کو اور مجھے اپنے دین پاک کی حمایت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اب میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں آئندہ صحبت میں قرآنی توحید اور ویدک توحید کا مقابلہ انشاء المولےٰ تعالی دکھاؤں گا۔ وصلی اللہ تعالےٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیّدنا مولانا محمد واٰلہٖ وصحبہ اجمعین وانبہ وحزبہ یا ارحم الراحمین ویا اکرم الا کرمین۔ وٰاخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

○○○○○

(بقیہ صفحہ نمبر 12 سے ملحق)

عقیدہ: اُس کے ہر فعل میں کثیر حکمتیں ہیں؛ خواہ ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں اور اُس کے فعل کے لیے غرض نہیں کہ غرض اُس فائدے کو کہتے ہیں جو فاعل کی طرف رُجوع کرے نہ اُس کے فعل کے لیے غایت کہ غایت کا حاصل بھی وہی غرض ہے اور نہ اُس کے افعال علّت و سبب کے محتاج، اُس نے اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق عالمِ اسباب میں مسبِّبات کو اسباب سے ربط فرمادیا ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے، کان سُنتا ہے، آگ جلاتی ہے، پانی پیاس بجھاتا ہے؛ وہ چاہے تو آنکھ سُنے، کان دیکھے، پانی جلائے آگ، پیاس بجھائے؛ نہ چاہے تو لاکھ آنکھیں ہوں، دن کو پہاڑ نہ سوجھے، کرور آگیں ہوں، ایک تنکے پر داغ نہ آئے۔ کس قہر کی آگ تھی جس میں ابراہیم علیہ الصّلوٰ والسّلام کو کافروں نے ڈالا؛ کوئی پاس نہ جاسکتا تھا۔ گوپھن میں رکھ کے پھینکا جب آگ کے مقابل پہنچے جبرئیل امین علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم حاضر ہوئے اور عرض کی: ”ابراہیم کچھ حاجت ہے؟“ فرمایا: ”ہے مگر نہ تم سے۔“ عرض کی ”پھر اُسی سے کہیے جس سے حاجت ہے۔“ فرمایا: ”عِلْمُہٗ بِحَالِیْ کَفَانِیْ عَنْ سُؤَالِیْ“ اظہارِ احتیاج خود آنجاچہ حاجت است۔ ارشاد ہوا: یَا نَا رُکُوْنِیْ بَرْدًاوَّ سَلٰماً عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی ہو جا ابراہیم پر اس ارشاد کو سُن کر رُوئے زمین پر جتنی آگیں تھیں سب ٹھنڈی ہو گئیں کہ شاید مجھی سے فرمایا جاتا ہو اور یہ تو ایسی ٹھنڈی ہوئی کہ علما فرماتے ہیں کہ اگر اُس کے ساتھ وَّسَلٰماً کا لفظ نہ فرما دیا جاتا کہ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی ہو جا تو اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ اُس کی ٹھنڈک ایذا دیتی۔

افادات: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ترتیب: سیّد عبدالرحمٰن بخاری (موسس، اُمّہ فانڈیشن، لاہور)

۱۔ اباحت اصلیہ جواز میلاد کی قطعی دلیل ہے

اصل اشیاء میں اباحت ہے؛ یعنی جس چیز کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت اور اس کی برائی پر دلیل شرعی ناطق ہو وہی ممنوع و مذموم ہے۔ باقی سب چیزیں جائز و مباح رہیں گی خواہ ان کا جواز قرآن و حدیث میں منصوص ہو یا ان کا کچھ ذکر نہ آیا ہو۔ جو شخص کسی فعل کو ناجائز یا حرام یا مکروہ کہے اس پر واجب ہے کہ اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے؛ اور جائز و مباح کہنے والوں کو ہرگز دلیل کی حاجت نہیں۔ ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہ ہونا یہی جواز کی دلیل کافی ہے۔

جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **(الحلال ماأحل الله فی کتابه والحرام ماحرم الله فی کتابه وما سکت عنه فهو مماعفا عنه)** حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام فرما دیا اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے، یعنی اس کے فعل پر کچھ مؤاخذہ نہیں۔ اس حدیث کی شرح میں صاحبِ مرقاۃ لکھتے ہیں: **(فیه ان الاصل فی الاشیاء الاباحة)** یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل تمام چیزوں میں مباح ہونا ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (ایں دلیل است ہر آنکہ اصل در اشیاء اباحت است) یعنی یہ حدیث پاک اس امر کی دلیل ہے کہ سب اشیاء میں اصل مباح ہونا ہے۔

کتاب الحجۃ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: (ان اللہ عزوجل خلقکم وهو اعلم بضعفکم فبعث الیکم رسولا من انفسکم وانزل علیکم کتابا وحد لکم فیه حدودا أمرکم ان لا تعتدوها وفرض فرائض أمرکم ان تتبعوها وحرم حرمات نهاکم ان تنتهکوها وترك اشیاء لم یدعها نسیانا فلا تتکلفوها وانما ترکها رحمة لکم) یعنی بے شک اللہ عزوجل نے تمہیں پیدا کیا اور وہ تمہاری ناتوانی جانتا ہے؛ اس نے تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا اور تم پر ایک کتاب اتاری اور اس میں تمہارے لیے کچھ حدیں باندھیں سو تمہیں حکم دیا کہ ان سے نہ بڑھو؛ اور کچھ فرض کیے سو تمہیں حکم کیا کہ ان کی پیروی کرو؛ اور کچھ چیزیں حرام فرمائیں سو تمہیں ان کی بے حرمتی سے منع فرمایا؛ اور کچھ چیزیں اس نے چھوڑ دیں، سو ان میں تکلف نہ کرو کہ اس نے تم پر رحمت ہی کے لیے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ عارف باللہ سیّدی عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں: (لیس الا حتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ باثبات الحرمة او الکراهة الذین لابد لهما من دلیل بل فی الاباحة التی هی الاصل) یہ کچھ احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا پر افترا باندھو کہ حرمت و کراہت کے لیے تو دلیل درکار ہے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے۔ ملا علی قاری رسالہ "اقتداء بالمخالف" میں فرماتے ہیں: (من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلة هو الصحة واما القول بالفساد او الکراهة فیحتاج الی حجة من الکتاب اوالسنة أواجماع الامة) یقینی بات ہے کہ اصل ہر مسئلے میں صحت ہے اور فساد یا کراہت ماننا یہ محتاج اس کا ہے کہ قرآن یا حدیث یا اجماعِ امّت سے اس پر دلیل قائم کی جائے۔

شریعت کا یہ قاعدہ کہ تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے بہت سی آیات و احادیث اور اکابر ائمہ کی تصریحات سے ثابت ہے۔ خود اہلِ حدیث عالم میاں نذیر حسین دہلوی کے ایک مصدقہ فتوے میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے: "خدا اور سول کا کسی چیز کو جائز نہ کہنا اور بات ہے اور ناجائز کہنا دوسری بات۔ تم جو ناجائز کہتے ہو تو ذرا یہ بتاؤ کہ خدا اور سول نے ناجائز کہاں کہا ہے۔" (ملخصا)

پس مجلسِ میلاد و قیام اور دیگر بہت سے امورِ متنازع فیہا کے جواز پر ہمیں کوئی دلیل قائم کرنے کی حاجت نہیں۔ شرع سے ممانعت نہ ثابت ہونا ہی ہمارے لیے دلیل ہے۔ ہم سے اس کی سند

مانگنا سخت نادانی ہے۔ ہاں تم جو ناجائز و ممنوع کہتے ہو، تم ثبوت دو کہ خدا اور رسول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز فرمایا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ہرگز اس کا ثبوت نہ دے سکوگے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۶، ص ۴۲۸)

۲۔ قرآن کی مطلق نصوص میلاد منانے کا حکم دیتی ہیں

نصوص شریعت کے عموم اور اطلاق سے استدلال کرنا صحابۂ کرام کے زمانے سے لے کر آج تک علماءِ امت میں رائج اور مسلم و معتبر ہے؛ یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا تو جہاں، جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہو گی، ہمیشہ محمود رہے گی تا وقتیکہ کسی صورتِ خاصہ کی ممانعت شرع سے نہ آجائے۔ مثلاً ذکرِ الٰہی کی خوبی قرآن و حدیث سے ثابت تو جب کبھی کہیں کسی طور پر خدا کی یاد کی جائے گی بہتر ہی ہو گی۔ ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرع سے ضرور نہیں۔ ہاں بیت الخلاء میں بیٹھ کر زبان سے یادِ الٰہی کرنا ممنوع ٹھہرا کہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت ہے۔ غرض جس مطلق کی خوبی معلوم ہو اس کی خاص خاص صورتوں کی جداجدا خوبی ثابت کرنا ضروری نہیں۔ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں جس کی بھلائی ثابت ہو چکی۔ البتہ کسی خصوصیت کی برائی ماننا محتاجِ دلیل ہے۔ اصولِ شریعت کی معروف کتاب "مسلم الثبوت" میں ہے: (شاع و ذاع احتجاجهم سلفا وخلفا بالعمومات من غير نكير والعمل بالمطلق يقتضى الاطلاق) متقدمین اور متأخرین علماءِ امت کے ہاں عموم و اطلاق سے استدلال کرنا ہمیشہ سے رائج چلا آرہا ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرتا اور مطلق پر عمل کرنا خود اطلاق کا تقاضا ہے۔ علامہ ابن الہمام کی کتاب "التحریر" اور اس کی شرح میں ہے: (يعمل به أن يجرى فى كل ما صدق عليه المطلق) مطلق حکم اپنی تمام صورتوں میں جاری ہو گا۔ یہاں تک کہ خود فتوائے مصدقہ نذیر یہ میں ہے؛ "جب عام و مطلق چھوڑا تو یقیناً اپنے عموم و اطلاق سے استدلال برابر زمانہ صحابۂ کرام سے آج تک بلا نکیر رائج ہے۔"

اب سنیے ذکرِ الٰہی کی فضیلت شرع میں مطلقاً ثابت ہے۔ قرآن میں ہے: (اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا) خدا کو بہت یاد کرو۔ اور نبی کریم ﷺ بلکہ تمام انبیا و اولیا کی یاد عین خدا کی یاد ہے کہ ان کی یاد اسی لیے تو ہے کہ وہ اللہ کے نبی یا ولی ہیں۔ مع ہٰذا نبی کریم ﷺ کی یاد مجالس و محافل میں اس انداز سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ مراتب بخشے، یہ کمال درجات عطا فرمائے۔ اب چاہے اسے نعت سمجھ لو، ہمارے آقا ﷺ ایسے ہیں جنہیں حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایسے ایسے درجے دیے اس صورت میں (وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ) کی قبیل سے ہو گا، چاہے اسے حمد سمجھ لو یعنی ہمارا مالک ایسا ہے جس نے اپنے محبوب کو یہ رتبے بخشے، اس وقت یہ کلام (سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ) (هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی) کے طور پر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پاک ﷺ سے فرماتا ہے: (وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ) یعنی بلند کیا ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر۔ علامہ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ "شفا شریف" میں اس آیۂ کریمہ کی تفسیر حضرت ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ سے یوں نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ سے فرماتا ہے: (جعلتك ذكرا من ذكرى فمن ذكرك ذكرنى) میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد بنا دیا۔ پس جو کوئی تمہارا ذکر کرے اس نے میرا ذکر کیا۔

کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کر سکتا کہ مصطفیٰ ﷺ کی یاد بعینہٖ خدا کی یاد ہے۔ پس بحکم اطلاق جس جس طریقہ سے ان کی یاد کی جائے گی حسن و محمود ہی رہے گی اور مجلس میلاد وغیرہ کسی خاص طریقہ کے لیے ثبوت مطلق کے سوا کسی نئے ثبوت کی ہرگز حاجت نہ ہو گی۔ ہاں جو کوئی ان طریقوں کو ممنوع کہے، اس پر لازم ہے کہ وہ شارع کی طرف سے خاص ان کی ممانعت ثابت کرے۔

اسی طرح نعمتِ الٰہیہ کے بیان و اظہار کا ہمیں مطلقاً حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ) اپنے رب کی نعمت خوب بیان کرو۔ اب اس میں شک نہیں کہ حضور صاحب لولاک ﷺ کی ولادتِ اقدس تمام نعمتوں کی اصل ہے تو اس کے خوب بیان و اظہار اور چرچا کرنے کا ہمیں قرآن کی نصِ قطعی سے حکم ہوا ہے؛ اور واضح ہے کہ اس نعمت کا بیان و اظہار مجمع عام میں زیادہ خوبی سے نمایاں ہو گا۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ جس قدر ہو سکے زیادہ سے زیادہ لوگ جمع کیے جائیں اور انہیں محبوبِ خدا ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر سنایا جائے۔ اسی کا نام مجلس میلاد ہے اور اس کے مباح بلکہ مستحب ہونے میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۶، ص ۵۳۰)

پھر دیکھیے نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر مسلمان کا ایمان ہے اور اس کی خوبی قرآنِ عظیم سے مطلقاً ثابت ہے۔ قال تعالیٰ:

(اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ) اے نبی ﷺ ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا تاکہ اے لوگو تم خدا اور رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو ایک جگہ ارشاد ہے: (وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ) جو خدا کے شعائر کی تعظیم کرے تو وہ بے شک دلوں کی پر ہیز گاری سے ہے۔ نیز فرمایا: (وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ) جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی تو یہ بہتر ہے اس کے لیے اس کے رب کے ہاں۔

ان آیاتِ کریمہ میں تعظیم و تکریم کا مطلق حکم آیا ہے؛ تو اب حضور سیّدِ کائنات ﷺ کی تعظیم جس طریقے سے بھی کی جائے شرعاً مستحسن اور پسندیدہ ہی ٹھہرے گی اور خاص خاص طریقوں کے لیے ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا۔ ہاں یہ ہے کہ اگر کسی خاص طریقے کی ناپسندیدگی بالتخصیص شرع سے ثابت ہو جائے تو وہ بے شک ممنوع ہوگا جیسے حضورِ اقدس ﷺ کو سجدہ کرنا یا جانور ذبح کرتے وقت تکبیر کی جگہ حضور ﷺ کا نام لینا ممنوع ہے۔ ابنِ حجر مکی ''جوہر منظّم'' میں فرماتے ہیں: (تعظیم النبی ﷺ بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیہا مشار کۃ اللہ تعالیٰ فی الا لوھیۃ امر مستحسن عند من نور اللہ أبصارھم) نبی ﷺ کی تعظیم تمام اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا لازم نہ آئے، ان لوگوں کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے نور بخشا ہے ہر طرح مستحسن ہے۔

بناء بریں یہ محفلِ میلاد اور قیام جو اہلِ اسلام محض بنظرِ تعظیم و اکرامِ حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام بجالاتے ہیں بے شک حسن و محمود ٹھہرے گا تاوقتیکہ منکرین خاص اس صورت کی ممانعت کا قرآن و حدیث سے ثبوت نہ دیں۔ مذکورہ بالا نصوص و تصریحات کے عموم و اطلاق کی رو سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ محفلِ میلاد و قیام کی شرعی حیثیت خود قرآنِ عظیم سے براہِ راست ثابت ہے۔

۳۔ نئے مسائل میں تصریحاتِ علما سے استناد حجت ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرّم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے ہمیں شریعتِ مطہرہ عطا فرمائی اور ہمارے لیے دین کامل فرمادیا۔ یوں اس کے کرم نے حضورِ پر نور سیّدِ عالم ﷺ کے صدقے ہم پر اپنی نعمت تمام فرمادی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا) یعنی آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند فرمایا۔

الحمد للہ! ہماری شریعتِ مطہرہ کا کوئی حکم قرآن عظیم سے باہر نہیں، جیسا کہ فرمایا: (وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ) اور ہم نے تم پر قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے مگر قرآنِ کریم کو پوری گہرائی میں سمجھنا اور ہر ہر جزئیہ کا صریح حکم اس سے نکال لینا عام انسانوں کے بس میں نہیں۔ اس لیے قرآنِ حکیم نے دو بنیادی اصول اور ضابطے مقرر کر دیے:

پہلا ضابطہ:

(مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا)

یعنی جو کچھ تمہیں رسول ﷺ دیں وہ لے لو اور جس سے وہ منع فرمائیں اس سے باز رہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ قرآنِ مجید میں ہر چیز کا بیان موجود ہے؛ لیکن اُمت کے افراد نبیِ کریم ﷺ کی طرف سے تعلیم اور راہنمائی کے بغیر قرآن نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ اس سے اوامر و نواہی کے احکام معلوم کر سکتے ہیں۔ اس لیے نبیِ کریم ﷺ سے فرمایا: (وَأَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ) یعنی اے محبوب ﷺ ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا تاکہ تم لوگوں کے لیے بیان فرمادو جو کچھ ان کی طرف اترا ہے۔

دوسرا ضابطہ:

(فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ)

یعنی جو کچھ تمہیں معلوم نہ ہو وہ علم والوں سے دریافت کرو۔ اس آیت میں عام لوگوں کو حکم دیا کہ جو کچھ تمہیں معلوم نہ ہو اس کے بارے میں علما سے پوچھو جو قرآن اور حدیث کا علم رکھتے ہیں۔ البتہ یہاں ایک لطیف بات یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں یہ دونوں آیات اکٹھی اور بالکل متصل وارد ہوئی ہیں: (فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ) اور دوسری (وَأَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ) اور ان دونوں آیات کا اکٹھا ہونا قرآنِ حکیم کی لازوال خوبیوں میں سے ہے۔ عام لوگوں کو حکم دیا کہ علما سے پوچھو اور علما کو یہ ہدایت فرمائی کہ قرآن کے سمجھنے میں اپنے ذہن پر اعتماد نہ کرو بلکہ جو کچھ نبی

کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے اس کی طرف رجوع کرو۔ یوں اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کو علما کی طرف پھیرا اور علما کو حدیث کی طرف اور حدیث کو اپنے کلام قرآن حکیم کی طرف اور بے شک رب کی طرف ہی انتہا ہے۔ تو جس طرح مجتہد اگر حدیث کو چھوڑ کر قرآن کی طرف رجوع کرے تو بھٹک جائے، اسی طرح عام لوگ اگر مجتہدین کو چھوڑ کر براہِ راست حدیث اور قرآن سے احکام نکالنے کی کوشش کریں تو بھٹک جائیں گے۔ (حاشیۂ رضا بر معالم التنزیل، بذیلِ آیت)

اب چونکہ حوادث و مسائل غیر متناہی ہیں لہذا اگر احادیثِ طیبہ میں ہر جزئیہ کے لیے تفصیلی احکام بیان کر دیے جاتے تو ان کا حفظ و ضبط نامقدور ہوتا۔ پھر امّت کو مختلف حالات میں مجتہدین کی اختلافی آرا کے ذریعے وسعت و رحمت نصیب نہ ہوتی؛ اس لیے حدیث نے بھی قرآن کی طرح اصولی، کلّی اور عمومی احکام عطا فرمائے اور ان کی تفصیل و تفریع مجتہدین امت کے سپرد کر دی۔ پھر ائمۂ اجتہاد کے لیے بھی غیر متناہی حوادث اور بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ نئے ابھرنے والے مسائل اور جزئیات کا احاطہ کرنا ممکن نہ تھا اس لیے ہر زمانے کے تازہ حوادث کے احکام اس زمانے کے علمائے کرام اور مفتیانِ عظام بیان کرتے آئے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔ چنانچہ در مختار میں ہے: (لایخلو الوجود عمن یمیز ھذا حقیقة لا ظنا وعلی من لم یمیز أن یرجع لمن یمیز براء ة لذ متہ) یعنی زمانہ ایسے لوگوں سے خالی نہ ہو گا جو یقینی طور پر نہ کہ گمان سے احکام کی تمیز رکھیں اور جسے یہ تمیز نہ ہو اس پر واجب ہے کہ تمیز والے کی طرف رجوع کرے تا کہ بری الذمہ ہو سکے۔ اس کی شرح میں صاحب رد المحتار لکھتے ہیں: (جزم بذلك اخذا مما رواہ البخاری من قولہ ﷺ لاتزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق حتی یاتی امراللہ) یعنی یہ بات بخاری شریف کی اس حدیث سے ماخوذ ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی مروی ہے کہ میری اُمّت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی اپنی کتاب ''المیزان الکبریٰ'' میں فرماتے ہیں: (مافصل عالم ما اجمل فی کلام من قبلہ من الادوار الا للنور المتصل من الشارع ﷺ فالمنة فی ذالك حقیقة لرسول اللہ ﷺ الذی ھو صاحب الشرع لانہ ھوالذی اعطی العلماء تلك المادة التی فصلوا بھا ما اجمل فی کلامہ کما ان المنة بعدہ کل دور علی من تحتہ فلوقدر ان اھل دور تعدوا من فوقھم الی الدور الذی قبلہ لا نقطعت وصلتھم بالشارع ولم یھتدوا لایضاح مشکل ولا لتفصیل مجمل وتامل یا اخی لولا ان رسول اللہ ﷺ فصل لشریعة ما اجمل فی القرآن لبقی القرآن علی اجمالہ کما ان الائمة المجتھدین لولم یفصلوا ما اجمل فی السنة لبقیت السنة علی اجمالھا وھکذا الی عصرنا ھذا فلولا ان حقیقة الاجمال ساریة فی العالم کلہ ماشرحت الکتب ولا ترجمت ولا وضع العلماء علی الشروح حواشی کالشروح للشروح) جس کسی عالم نے اپنے سے پہلے زمانے کے کسی کلام کے اجمال کی تفصیل کی ہے وہ اسی نور سے ہے جو صاحبِ شریعت ﷺ سے اسے ملا ہے۔ حقیقۃً اس میں رسول اللہ ﷺ ہی کا تمام امت پر احسان ہے کہ آپ ﷺ نے علما کو یہ استعداد عطا فرمائی جس سے انہوں نے مجمل کام کی تفصیل کی۔ یونہی ہر طبقۂ ائمہ کا اپنے بعد والوں پر احسان ہے۔ اگر فرض کیا جائے کہ کوئی طبقہ اپنے اگلے پیشواؤں کو چھوڑ کر ان سے اوپر والوں کی طرف تجاوز کر جائے تو شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے جو سلسلہ ان تک ملا ہوا ہے وہ کٹ جائے گا اور یہ کسی مشکل کی توضیح، مجمل کی تفصیل پر قادر نہ ہوں گے۔

برادرم غور کرو اگر رسول اللہ ﷺ اپنی شریعت سے مجملات قرآنِ عظیم کی تفصیل نہ فرماتے، قرآنِ کریم یونہی مجمل رہ جاتا۔ اسی طرح ائمۂ مجتہدین اگر مجملات حدیث کی تفصیل نہ فرماتے تو حدیث یونہی مجمل رہ جاتی۔ اسی طرح ہمارے زمانے تک۔ پس اگر یہ نہ ہو کہ حقیقت اجمال سب میں سرایت کیے ہوئے ہے تو نہ متون کی شرحیں لکھی جاتیں نہ ترجمے ہوتے نہ علما شرحوں کی شرحیں اور حواشی لکھتے۔

اب دیکھیے بہت سے جدید حوادث و مسائل ایسے ہیں جن کا سراغ پہلے کسی زمانے میں نہین ملتا مگر بہت سے متأخرین نے ان کے لیے شرعی احکام بیان کیے ہیں اور اُمت انہی احکام پر عمل کرتی ہے۔ کتب فقہ فتاوٰی اور شروح میں قرناً بعد قرنٍ بہت سے مسائل و جزئیات ایسے ملیں گے جو سابقہ ادوار میں نہیں تھے۔ ہر آنے والے طبقۂ علما نے گزشتہ پر اضافے کیے، جنہیں امّت قبول کرتی رہی؛ کیونکہ سب اسی اجمال قرآن وسنت کی تفصیل ہے۔ خاص کر کتب

نوازل کا تو موضوع ہی حوادثِ جدیدہ کے احکام بیان کرنا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ان حوادثِ جدیدہ کے احکام کی نسبت کہے کہ صحابہ وتابعین کے ہاں اس کی تصریح دکھاؤ یا خاص ائمۂ مجتہدین کی تصریحات لاؤ تو ایسا شخص احمق ہوگا یا گمراہ۔ بھلا ریل، تار، برقی، نوٹ، منی آرڈر، فوٹوگراف وغیرہ کے فقہی احکام صحابہ وتابعین یا ائمۂ مجتہدین کے زمانے سے کیوں کر دکھائے جاسکتے ہیں۔ ایسی جزئیات کے وہی احکام شرعاً مقبول سمجھے جائیں گے جو اس زمانے کے علمانے بیان فرمائے ہیں۔

یہی حکم ان تمام فقہی مسائل کا ہے جنہیں وہابی لوگ بدعت پکار کر ان کے احکام کی دلیل عہدِ صحابہ وتابعین سے مانگتے ہیں۔ اب دیکھیے خطبۂ جمعہ میں نبیِ کریم ﷺ کے عمّین کریمین حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ و عباس رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنا ایک حادثنیا مسئلہ ہے، مگر جب سے یہ عمل شروع ہوا اس زمانے کے علمانے اس کے مندوب ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے:(یندب ذکر الخلفاء الراشدین والعمین) خطبے میں چاروں خلفاءِ راشدین اور حضور ﷺ کے عمین کریمین کا ذکر مستحب ہے۔

اسی طرح اذان کے بعد حضورِ اقدس ﷺ پر صلوٰۃ پڑھنا جس طرح حرمینِ شریفین میں رائج ہوا اس کے بارے میں صاحبِ درمختار فرماتے ہیں:(التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبع مائۃ واحدی وثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الاالمغرب ثم فیھا مرتین وھو بدعۃ حسنۃ) اذان کے بعد سلام بھیجنے کا آغاز ربیع الآخر ۷۸۱ھ کو عشاشب دوشنبہ میں ہوا۔ پھر اذانِ جمعہ کے بعد بھی سلام پڑھا۔ پھر دس برس بعد مغرب کے سوا سب اذانوں کے بعد، پھر مغرب میں بھی دوبار سلام شروع ہو، اور یہ نوپیداباتوں سے ہے جو شرعاً مستحب ہیں۔

غرض اس طرح کی سینکڑوں مثالیں کتبِ فقہ ونوازل میں مل سکتی ہیں۔ مجلسِ میلادِ مبارک کو جاری ہوئے بھی صدہا سال ہوئے۔ مگر صحابہ وتابعین اور ائمۂ مجتہدین کے کلام میں ان کے نام کی تصریح مانگنی اُسی جنون پر مبنی ہوگی۔ حق یہ ہے کہ اس بارے میں انہی علمائے کرام کی تصریحات سے استناد ہوگا جن کے زمانے میں اس کا وجود تھا جیسے امام ابن حجر عسقلانی، امام جلال الدین سیوطی اور امام احمد قسطلانی وغیرہم۔ چنانچہ زین الحرم علامہ سید احمد زینی دحلان مکی قدس سرہ اپنی کتاب "الدرر السنیہ" میں فرماتے ہیں:(من تعظیمه ﷺ الفرح بلیلۃ ولادته وقراءۃ المولد والقیام عند ذکر ولادته ﷺ واطعام الطعام وغیر ذلك مما یعتاد الناس فعله من انواع البر فان ذلك کله من تعظیمه ﷺ وقد افردت مسئلۃ المولد ومایتعلق بھا بالتالیف واعتنی بذلك کثیر من العلماء فألفوا فی ذلك مصنفات مشحونۃ بالأ دلۃ والبراھین فلا حاجۃ لنا الی الاطالۃ بذلك) حضور کی شبِ ولادت کی خوشی کرنا اور مولد شریف پڑھنا اور ذکرِ ولادتِ اقدس کے وقت کھڑا ہونا اور مجلس شریف میں حاضرین کو کھانا دینا اور ان کے سوا اور نیکی کی باتیں مسلمانوں میں رائج ہیں یہ سب نبی ﷺ کی تعظیم سے ہیں۔ یہ مسئلہ مجلسِ میلاد اور اس کے متعلقات کا ایسا ہے جس میں مستقل کتابیں تصنیف ہوئیں اور بکثرت علمائے دین نے اس کا اہتمام فرمایا اور دلائل وبراہین سے بھری ہوئی کتابیں اس میں تالیف فرمائیں تو ہمیں اس مسئلہ میں تطویل کلام کی حاجت نہیں۔(فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۶، ص ۵۱۰)

۴۔ محفلِ میلاد کے جواز پر علما کا اجماع ہے

(واقعہ یہ ہے کہ محفلِ میلاد کے جواز پر ہر عہد کے اکابر علمائے امّت کا اتفاق و اجماع چلا آرہا ہے۔ محفلِ میلاد کیا ہے؟ ذکرِ میلاد رسول ﷺ کا اہتمام: اور یہ اہتمام ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ علما اور اولیا ہر زمانے میں اس اہتمام ذکر میلاد کو جائز ٹھہراتے، اسے پسند فرماتے اور خود اہتمام کرتے رہے ہیں۔ محفلِ میلاد کی موجودہ ہیئت کذائی جن عناصر واجزاء پر محیط ہے وہ سب شریعت کی رو سے جائز ومباح ہیں اور ولادتِ رسول ﷺ کی خوشی منانا قرآن کا مطلق حکم ہے جو اس ہیئتِ کذائی کو شامل ہے اور جب سے یہ موجودہ ہیئت کذائی رائج ہوئی۔ ہر زمانے کے اکابر علمائے امّت اور اولیاءِ عظام برابر اس کی تحسین کررہے ہیں۔) پس محفلِ میلاد کے جواز پر علما کا اتفاق واجماع ہے اور اس کا منکر بدعتی اور قابلِ مذمت ہے جیسا کہ بیسیوں علما کے متفقہ فتوے میں کہا گیا:(فالمنکر لھذا مبتدع بدعۃ سیئۃ مذمومۃ لانکارہ علی شئی حسن عند اللہ والمسلمین کما جاء فی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن والمراد من المسلمین ھھنا الذین کملوا الا سلام کالعلماء

العاملین وعلماء العرب والمصر والشام والروم والاندلس کلھم وأوہ حسنا من زمان السلف الی الآن فصار الاجماع۔ والامر الذی ثبت باجماع الامۃ فھوحق لیس بضلال۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا تجتمع امتی علی الضلالۃ۔ فعلی حاکم الشریعۃ تعزیر المنکر)
پس محفلِ میلاد اور قیام کا انکار کرنے والا بدعتی ہے۔ یہ انکار ایک بدعتِ سیّئہ و مذمومہ ہے کہ اس نے ایسی چیز سے انکار کیا جو خدا و اہلِ اسلام کے نزدیک نیک تھی جیسا کہ حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں آیا ہے کہ جس چیز کو مسلمان نیک اعتقاد کریں وہ خدا کے نزدیک نیک ہے۔ یہاں مسلمانوں سے کامل مسلمان مراد ہیں جیسے علمائے باعمل۔ چنانچہ مجلسِ میلاد و قیام کو علمائے عرب و مصر و شام و روم اندلس نے سلف سے آج تک مستحسن جانا تو اجماع ہو گیا اور جو امر اجماعِ امت سے ثابت ہو وہ حق ہے، گمراہی نہیں۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: میری امّت گمراہی پر اتفاق نہیں کرتی۔ پس حاکمِ شرع پر لازم ہے کہ منکر کو سزا دے۔

اس فتوے پر سید العلما احمد زینی دحلان مفتیِ شافعیہ، سراج الفضلا مولانا عبد الرحمٰن سراج مفتی حنفیہ، مولانا حسن مفتی حنبلیہ اور مولانا محمد شرقی مفتی مالکیہ وغیرہم پینتالیس علما کی مہریں ہیں۔ مولانا محمد بن سلیمٰن لکھتے ہیں: (نعم اصل ذکر المولد الشریف وسماعہ سنۃ وبھذہ الکیفیۃ المجموعۃ بدعۃ حسنۃ مستحبۃ وفضیلۃ عظیمۃ مقبولۃ عند اللہ تعالیٰ کما جاء فی اثر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: ما راہ المسلمون حسنۃ فھو عند اللہ حسن والمسلمون من زمان السلف الی الاٰن من اھل العلم والعرفان کلھم رأوہ حسنا بلا نقصان فلا ینکر ولا یمنع من ذلك الا مانع الخیر والا حسان وذلك عمل الشیطان) یعنی اصل ذکرِ مولد شریف اور اس کا سننا سنّت ہے اور اس کیفیت مجموعی کے ساتھ جس میں قیام وغیرہ ہوتا ہے بدعتِ حسنہ مستحبہ اور بڑی فضیلت اور خدا کے ہاں پسندیدہ ہے کہ حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں وارد ہوا: جسے مسلمان نیک سمجھیں وہ خدا کے نزدیک نیک ہے؛ اور مسلمان سلف سے آج تک علما، اولیا سب اسے مستحسن سمجھتے آئے تو اس سے منع نہ کرے گا مگر وہی جو خیر اور بھلائی سے روکنے والا ہو اور یہ کام شیطان کا ہے۔ مولانا محمد صالح لکھتے ہیں: (أمۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من العرب والمصر والشام والروم والاندلس وجمیع بلاد الاسلام مجتمع و متفق علی استحبابہ واستحسانہ)
نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی امّت عرب و مصر و شام و روم و اندلس و تمام بلادِ اسلام سے اس کے استحباب واستحسان پر اجماع کیے ہوئے ہے۔

سردست اسی قدر کتب و فتاوٰی اور اقوالِ علما و ائمہ سے محفلِ میلاد کے استحسان و استحباب کی سند حاضر ہے جس میں سو سے زائد علما و ائمہ کی تحقیق و تصدیق روشن ہے۔ ذرا انصاف کیجیے! آیا اس قدر علمائے مکۂ معظّمہ و مدینۂ منورہ و جدہ و روم و شام و مصر و دمیاط و یمن و زبید و بصرہ و حضر موت و حلب و حبش و برزنج و برع و کرد داغستان و اندلس وہند کا اتفاق قابل قبول نہ ہو گا یا معاذ اللہ یہ عمائد شریعت صدہا سال سے آج تک سب کے سب ایک بدعتِ ضلالت کے مستحب و مستحسن ماننے والے ٹھہریں گے۔

تعصب نہ کیجیے تو ہم ایک تدبیر بتائیں: ذرا اپنے دل کو خیالاتِ این وآں سے رہائی دیجیے اور آنکھیں بند کر کے گردن جھکا کر یوں دل میں مراقبہ کیجیے کہ گویا یہ سینکڑوں اکابر سب کے سب ایک وقت میں زندہ موجود ہیں اور اپنے مراتبِ عالیہ کے ساتھ ایک مکانِ عالی شان میں جمع ہوئے ہیں اور ان کے حضور مسئلۂ قیام پیش ہوا ہے اور ان سب عمائد نے یک زباں ہو کر بآوازِ بلند فرمایا: بے شک مستحب ہے، وہ کون ہے جو اسے منع کرتا ہے، ذرا ہمارے سامنے آئے۔ اس وقت ان کی شوکت و جبروت کو خیال کیجیے اور مشتے چند مانعین ہندوستان میں ایک ایک کا منہ چراغ لے کر دیکھیے کہ ان میں سے کوئی بھی اس عالی شان مجمع میں جا کر ان کے حضور اپنی زبان کھول سکتا ہے۔ یوں تو

چو شیراں برفتند از مرغزار
زند روبۂ لنگ لاف شکار

بالفرض اگر ان سب اکابر سے بیانِ مسئلہ میں غلطی و خطا ہو جائے تو نقل و درایت میں تو معاذ اللہ کذب و افترا نہ کریں گے۔ اب اوپر کی عبارتیں دیکھیے کہ کتنے علما نے اہلِ سنّت و جماعت و علما بلاد دار الاسلام کا اس فعل کے استحباب و استحسان پر اجماع نقل کیا ہے۔ کیا اجماعِ اہلِ سنّت بھی پایۂ قبول سے ساقط اور ہنوز دلیل و سند کی حاجت باقی ہے۔ انصاف کیجیے تو امامِ اجل محقق اعظم تقی الدین سبکی اور اس وقت کے اکابر علما و مشائخ ہی مسلمانوں کے لیے حجّتِ کافیہ تھے، جس کے بعد کسی اور سند کی احتیاج نہ تھی جیسا کہ علامہ علی بن برہان حلبی و

علامہ انباری وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے؛ کجا یہ کہ ان ائمہ کے بعد یہ جشنِ میلاد تمام بلاد و دارالاسلام کے خواص و عوام میں صدہا سال سے شائع و ذائع رہے اور ہزارہا علما و اولیا اس پر اتفاق و اجماع فرمائیں۔

اچھا یہ بھی جانے دیجیے تاہم اتنا تو واضح ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ امّت کا سوادِ اعظم محفلِ میلاد کے جواز واستحباب کی طرف ہے؛ اور حضورِ اقدس ﷺ فرماتے ہیں: (اتبعوا السواد الاعظم فمن شذ شذ فی النار) بڑے گروہ کی پیروی کرو کہ جو اکیلا رہا اکیلا دوزخ میں گیا۔ اور فرماتے ہیں: (انما یاکل الذئب القاصیة) بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو گلے سے دور ہوتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۶، ص ۵۲۲)

۵۔ محفلِ میلاد کا اہتمام بلاشبہ مستحب ہے

تمہید "روضۃ النعیم" میں جو فتاوائے علمائے کرام طبع ہوئے ان میں شامل حضرات علمائے مدینۂ منورہ کے فتاوٰی میں محفلِ میلاد کی فضیلت اور حسن وخوبی کا اثبات کیا گیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ: (ان مایصنع من الولائم فی المولد الشریف وقراءته بحضرة المسلمین وانفاق المبرات و القیام عند ذکر ولادة الرسول الامین ﷺ ورش ماء الورود والقاء البخور و تزیین المکان وقراءة شئی من القرآن و الصلوٰة علی النبی ﷺ واظهار الفرح والسرور فلا شبهة فی انه بدعة حسنة مستحبة وفضیلة شریفة مستحسنة اذلیس کل بدعة حراما بل قدتکون واجبة کنصب الادلة للرد علی الفرق الضالة وتعلم النحو وسائرالعلوم المعینة علی فهم الکتاب والسنة کما ینبغی ومندوبة کبناء الربط والمدارس ومباحة کالتوسع فی الماکل والمشارب اللذیذة والثیاب کما فی شرح المناوی علی جامع الصغیر عن تهذیب النووی فلا ینکرها الا مبتدع لا استماع لقوله بل علی حاکم الاسلام ان یعذره؛ والله تعالیٰ اعلم) خلاصۂ مقصود یہ ہے کہ میلاد شریف میں کھانے کا اہتمام کرنا اور حالِ ولادت مسلمانوں کو سنانا، خیرات ومبرات بجالانا، ذکرِ ولادتِ اقدس رسولِ امین ﷺ کے وقت قیام کرنا، گلاب چھڑکنا، خوشبوئیں سلگانا، مکان آراستہ کرنا، تلاوتِ قرآن اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا اور فرحت و سرور کا اظہار کرنا بے شک بدعتِ حسنہ مستحبہ اور فضیلت شریفہ مستحسنہ ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں ہوتی بلکہ کبھی واجب ہوتی ہے جیسے گمراہ فرقوں پر رَدّ کے لیے دلائل قائم کرنا اور نحو وغیرہ وہ علوم سیکھنا جن کی مدد سے قرآن وحدیث بخوبی سمجھ میں آسکیں؛ کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے سرائیں اور مدرسے بنانا اور کبھی مباح جیسے لذیذ کھانے پینے اور کپڑوں میں وسعت کرنا جیسا کہ علامہ مناوی نے شرح جامع صغیر میں تہذیب امام علامہ نووی سے نقل کیا۔ ان امور کا انکار وہی کرے گا جو بدعتی ہوگا۔ اس کی بات سننا نہ چاہیے بلکہ حاکمِ اسلام پر واجب ہے کہ اسے تعزیر کی سزا دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس فتوے پر مولانا عبدالجبار ابراہیم بن خیار وغیرہم تیس ۳۰ علما کی مہریں ہیں۔ مولانا احمد حبلس لکھتے ہیں:(ذکر ولادة النبی ﷺ ومعجزاته وحلیته والحضور لسماعة وتزیین المکان ورش ماء الورد والبخور بالعود وتعیین الیوم والقیام عند ذکر ولادته ﷺ واطعام الطعام وتقسیم التمر وقرأة شئی من القران کلها مستحبة بلاشك وریب، والله تعالیٰ اعلم بالغیب)

نبیِ کریم ﷺ کی ولادت و معجزات اور حلیہ شریفہ کا ذکر کرنا اور اس کے سننے کو حاضر ہونا اور مکان سجانا اور گلاب چھڑکنا اور اگربتی سلگانا اور دن مقرر کرنا اور ذکرِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے وقت قیام کرنا اور کھانا کھلانا اور خرمے بانٹنا اور قرآنِ مجید کی چند آیتیں پڑھنا سب بلاشک وشبہ مستحب ہے۔ مولانا احمد فتاح لکھتے ہیں:(اعلم أن ذکر ولادة النبی ﷺ وما وقع من معجزاته والحضور لسماعه سنة بلاشك وریب لکن مع هذه الصورة المجموعة من الاشیاء المذکورة کما هوالمعمول فی الحرمین الشریفین وجمیع دیار العرب بدعة حسنة مستحبة یثاب فاعلها ویعاقب منکرها ومانعها) جان لو کہ نبیِ کریم ﷺ کی ولادت و معجزات کا ذکر اور اس کے سننے کو حاضر ہونا بے شک سنّت ہے؛ مگر یہ ہیئت مجموعی جس میں قیام وغیرہ اشیائے مذکورہ ہوتی ہیں جیسا کہ حرمین شریفین اور تمام دیارِ عرب کا معمول ہے؛ یہ بدعتِ حسنہ مستحبہ ہے جس کا اہتمام کرنے والے کو ثواب اور منکر و مانع کے لیے عقاب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۶، ص ۵۱۸)

۶۔ میلاد کے جواز کا انکار کرنا بدعت اور قابلِ تعزیر ہے

جب یہ معلوم ہو گیا کہ محفلِ میلاد کا جواز اکابرینِ امّت، علماءِ کرام اور اولیاءِ عظام کے اتفاق و اجماع سے ثابت ہے، بلکہ سب اسے مستحب اور نہایت پسندیدہ عمل ٹھہراتے ہیں اور نہایت شوق و محبت سے اس کا

اہتمام کرتے ہیں تو اب یہ واضح ہے کہ جو کوئی ہٹ دھرمی اور عناد سے محفلِ میلاد کی مخالفت پر کمر بستہ رہے وہ یقیناً اجماع علما کے انکار کی بدعت میں مبتلا ہے پس یہ شخص بدعتی اور مستحقِ تعزیر ہے۔ مولانا علی طحان لکھتے ہیں:(قراءة المولد الشريف والقيام فيه مستحب ومن انكر ذلك فهو جحود لا يعرف مراتب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)مولد شریف پڑھنا اور اس میں قیام کرنا مستحب ہے اور اس کا منکر ہٹ دھرم ہے جسے رسول اللہ ﷺ کی قدر معلوم نہیں۔

فتوائے علمائے جدَّہ میں مجیبِ اوّل مولانا باصر بن علی بن احمد محفلِ میلاد اور اس میں قیام و تعیینِ یوم، تزئینِ مکان، استعمالِ خوشبو، قراءتِ قرآن واظہارِ سرور اور اطعامِ طعام کی نسبت فرماتے ہیں:(بهذه الصورة المجموعة من الا شياء المذكورة بدعة حسنة مستحبة شرعاً لاينكرها الا من فى قلبه شعبة من شعب النفاق والبغض له صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وكيف يسوغ له ذلك مع قوله تعالىٰ "ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب")جس مجلس میں یہ سب باتیں کی جائیں وہ شرعاً بدعتِ حسنہ مستحبہ ہے جس کا انکار نہ کرے گا مگر وہ شخص جس کے دل میں نفاق کی شاخوں سے ایک شاخ اور نبیِ کریم ﷺ کی عداوت ہے اور یہ انکار اسے کیوں کر روا ہو گا حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: "جو کوئی خدا کے شعاروں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے"۔

مولانا عباس بن جعفر بن صدیق فرماتے ہیں:(ما اجاب الشيخ العلامة فهو الصواب لا يخالفه الا اهل النفاق ومافى السئوال كله حسن كيف لا وقد قصد بذلك تعظيم المصطفىٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا حرمنا الله تعالىٰ من زيارته فى الدنيا ولا من شفاعته فى الأخرى ومن انكر ذلك فهو محروم منهما) شیخ علامہ باصر احمد بن علی نے جو جواب دیا وہی حق ہے۔ اس کا خلاف نہ کریں گے، مگر منافقین اور جو کچھ سوال میں مذکور ہے سب حسن ہے اور کیوں نہ حسن ہو کہ اس سے مصطفیٰ ﷺ کی تعظیم مقصود ہوتی ہے؛ اللہ تعالیٰ ہمیں محروم نہ کرے ان کی زیارت سے دنیا میں اور نہ ان کی شفاعت سے آخرت میں، جو اس سے انکار کرے گا وہ ان دونوں سے محروم ہے۔

مولانا محمد بن داؤد بن عبد الرحمٰن لکھتے ہیں: (مستحب يثاب فاعله ولا ينكرها الا مبتدع) محفلِ میلاد مستحب ہے، کرنے والا ثواب پائے اور اس کا انکار نہیں کرتا مگر بدعتی۔

مولانا علی بن عبد اللہ لکھتے ہیں:(لا يشك فيه الا مبتدع يليق به التعزير)اس میں شک نہیں کرے گا سوائے بدعتی کے جو مستوجبِ تعزیر ہے۔ اسی طرح احمد بن عثمان و احمد بن عجلان و محمد صدقہ وعبد الرحیم بن محمد زبیدی نے لکھا اور تصدیق کیا۔ فتوائے علمائے جدیدہ میں مولانا یحیٰی بن مکرم فرماتے ہیں:(الف فى ذلك العلماء وحثوا على فعله فقالو لا ينكرها الا مبتدع فعلى حاكم الشريعة أن يعزره) علما نے اس بارے میں کتابیں تالیف فرمائیں اور اس کے فعل پر رغبت دلائی اور فرمایا اس کا انکار نہ کرے گا مگر بدعتی، سو حاکمِ شرعی پر اس کی تعزیر لازم ہے۔

مولانا محمد بن عبد اللہ لکھتے ہیں: (قراءة المولد الشريف والقيام عند ذكر ولادته صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وكل شئى فى السوال حسن بتعظيم المصطفى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ومن يستحق التعظيم غيره)مولد شریف پڑھنا اور ذکرِ ولادتِ نبی ﷺ کے وقت قیام کرنا اور جتنی باتیں سوال میں مذکور ہیں سب بہ سبب تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ کے حسن ہیں اور حضور کے سوا تعظیم کا مستحق کون ہے۔ مولانا احمد بن محمد بن جلیل لکھتے ہیں:(هو الصواب الائق بتعظيم المصطفى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فعلى حاكم الشريعة المطهرة زجر من انكر وتعزيره)یہی حق ہے اور تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ کے مناسب پس حاکمِ شریعتِ مطہرہ پر لازم کہ منکر کو جھڑکے اور سزا دے۔

مولانا عبد الرحمٰن بن علی حضرمی لکھتے ہیں:(استحسنوا القيام تعظيما له اذا جاء ذكر مولده صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وما صار تعظيما صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجب علينا أداوه والقيام به ولا ينكر ماذكرنا الا مبتدع مخالف عن طريق اهل السنة والجماعة لا استماع ولا اصغاء لكلامه وعلى حاكم الاسلام تعزيره)علما نے وقتِ ذکرِ ولادت نبی ﷺ کی تعظیم کے لیے قیام مستحسن سمجھا اور جو چیز حضورِ اقدس ﷺ کی تعظیم ٹھہری تو اس کا ادا کرنا اور بجالانا ہم پر واجب ہو گیا اور اس کا انکار نہ کرے گا مگر بدعتی، مخالفِ طریقۂ اہلِ سنّت و جماعت؛ جس کی بات نہ سننے کے قابل، نہ توجہ کے لائق اور حاکمِ اسلام پر اس کی تعزیر واجب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۶، ص ۵۲۰)

* * * * *

رہن اور تحقیقِ رضا

صبا نور (ریسرچ اسکالر، دی یونیورسٹی آف فیصل آباد)

Abstract: Islam has given definite guidance for Shaira-compliant economic activities. Pledge is an important contract particularly in securing a loan by economically weak masses and often supplements guarantee. This article discusses the research points from the writings of Imam Ahmad Raza on pledge and is helpful in knowing his contribution to Economics.

خلاصہ: اسلام وہ دین ہے جس نے انسانوں کی بھلائی کے پیشِ نظر معاملات کے شعبے میں آسانی فراہم کی ہے۔ معاشی اعتبار سے کمزور افراد کو ضروریات کی تکمیل کے لیے قرض کی ضرورت پڑتی ہے بعض اوقات قرض خواہ کسی شے کو رہن رکھوا کر قرض حاصل کرلیتا ہے۔ امام احمد رضا نے رہن سے متعلق اہم باتیں اپنی تحقیقات میں تفصیل سے بیان کیں ہیں۔ اس مقالے میں پیش کردہ آپ کی تحقیقات سے مدد لے کر دورِ حاضر میں اس عقد کو شرعی اعتبار سے جائز بنایا جاسکتا ہے۔(صبا)

تعارف

ہر فرد کی ضرورت دوسرے فرد سے وابستہ ہے، کوئی بھی شخص ان ضروریاتِ زندگی کو تنِ تنہا پورا کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ لین دین کے روزمرّہ معاملات میں انسانوں کو لازماً ایک دوسرے کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لیے قرضوں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ قرض کسی دوسرے شخص سے اپنی کوئی شے رہن رکھوا کر حاصل کیا جاسکتا ہے اس رہن کے تحت قرض دینے والے کو اپنی رقم کے ضائع ہونے کا خدشہ نہیں رہتا۔ قرض دار قرض کی رقم اس شخص کو ادا کرکے اپنی شے واپس لے لیتا ہے۔ قرآنِ پاک اور احادیثِ نبویہ ﷺ سے اس عقد کے جائز ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

طریقۂ کار

اس تحقیقی مقالے میں عقدِ رہن سے متعلق معاملات کے ذیلی عنوانات بتائے گئے ہیں۔ عقدِ رہن کا معنٰی و مفہوم، قرآن و حدیث سے اس عقد کے جائز ہونے کا ثبوت، اور شرعاً اس عقد کے درست ہونے کی شرائط کو بیان کرکے امام احمد رضا نے اس عقد سے متعلق جو بنیادی مسائل بیان کیے ہیں ان میں سے چند مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے نیز امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں نتائج حاصل کیے گئے ہیں۔ مقالے کے آخر میں خلاصۂ تحقیق، پیش کردہ تحقیقاق کا عملی اطلاق اور مآخذ و مراجع درج کیے گئے ہیں۔

تحدید

شریعتِ اسلام اور دیگر کتبِ فقہ میں فقہائے کرام نے عقدِ رہن سے متعلق تمام مسائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس مقالے میں چند ایک معاملات کو بیان کیا گیا ہے۔ امام احمد رضا نے رہن سے متعلق جن معاملات پر بحث کی ہے اس تحقیقی مقالے میں ان سب کا احاطہ نہیں کیا گیا، مثلاً مزارعت، بیع الوفاء، وراثت سے متعلق اور کفالت سے متعلق مسائل کو شامل نہیں کیا گیا؛ یہ تمام موضوع ایک الگ مقالے کے متقاضی ہیں۔ عقدِ کفالت سے متعلق مضمون کو ہم معارفِ رضا اکتوبر ۲۰۱۱ء کے شمارے میں پیش کرچکے ہیں۔

اعتذار

امام احمد رضا کی عقدِ رہن سے متعلق جو تحقیقات "العطایہ النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" (مع تخریج و ترجمہ عبارات) کی جلد ۲۵ میں موجود ہیں اس مقالے میں ان ہی تحقیقات کو پیش کیا گیا ہے۔

مقاصدِ تحقیق

اس مقالے کے درج ذیل مقاصد ہیں:

۱۔ دینِ اسلام نے عقدِ رہن کے متعلق جو مسائل بیان کیے ہیں اور دیگر کتبِ فقہ میں جو صورتیں اس عقد کے صحیح اور فاسد ہونے کی ہیں ان کو منظرِ عام پر لانا۔

۲۔ رہن شے میں تصرّف کی جو صورتیں ناجائز و حرام ہیں ان کو بیان کرکے عام سطح پر لوگوں کو اس سے روشناس کرانا۔

۳۔ رہن شے سے اس کے مالک اور جس کے پاس رہن رکھوائی گئی دونوں کو اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں، ان صورتوں کو منظرِ عام پر لانا۔

۴۔ رہن شے سے نفع کی جو صورتیں امام احمد رضا نے بیان کیں ہیں ان کو بیان کرنا۔

۵۔ دورِ حاضر میں عقدِ رہن رائج ہے، ان صورتوں کو بیان کرکے

اسلام کے مطابق عقد کو قائم کرنے کی ترغیب دینا۔
٦۔ امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں عہدِ حاضر میں رائج عقد رہن سے متعلق مسائل کو حل کرنا یہ تحقیقات آج بھی قابلِ عمل ہیں۔ ان کو بیان کرکے منظر عام پر لانا۔

رہن کا معنٰی و مفہوم

رہن کے لغوی معنٰی ثابت رہنے، قائم رہنے، روکنے یا پابند ہو جانے کے ہیں۔ رہن کو گروی رکھنا بھی بولتے ہیں۔ اصطلاح میں اس کے معنٰی ہیں ایسی کوئی شے جو شرعاً مالیت رکھتی ہو جس کو قرض کے عوض بطور رہن رکھوایا جاسکے اور اسی شے پر قرض کا واپس حصول ممکن ہو۔[1]

قرآن پاک اور احادیث نبویہ سے اس عقد کے جائز ہونے کا ثبوت ملتا ہے؛ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ولم تجدو اکاتبا فرھان مقبوضۃ[2] اور دستاویز لکھنے کے لیے کوئی کاتب نہ پاؤ تو رہن بالقبض پر معاملہ کرو"؛ اس آیتِ مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے وہ مسافر جو کسی کے ساتھ قرض کا معاملہ کرنا چاہے اور اس معاہدے کو تحریر کرنے والا موجود نہ ہو تو کسی چیز کو رہن رکھوا کر قرض حاصل کرے۔ ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یایھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الٰی اجل مسمی فاکتبوہ[3] اے لوگوں جو ایمان لائے جب کسی مقررہ مدت کے لیے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو"۔ ان آیات مبارکہ سے رہن کا ثبوت ملتا ہے۔

اِسی طرح احادیثِ مبارکہ سے بھی رہن کے بارے میں واضح ثبوت ملتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی سے اناج خریدا اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھوائی۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جَو کے بدلے اپنی زرہ رہن رکھوائی۔[4]

رہن کے ارکان اور شرائط

رہن کے تین ارکان ہیں: (۱) مرتہن: وہ جو قرض کے معاملے میں کوئی شے رہن رکھتا ہے دوسرا راہن جو شے کا مالک ہوتا ہے۔ (۲) شے مرہونہ: رہن رکھی ہوئی شے اور دوسرا وہ قرض جو رہن کے مقابلے میں دیا جاتا ہے۔ (۳) ایجاب و قبول: وہ الفاظ جو اس عقد کے لین دین کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس عقد کے لیے لفظ رہن بولنا ضروری نہیں بلکہ وہ الفاظ جن سے رہن کے معنٰی سمجھے جاتے ہوں، ان الفاظ سے بھی یہ عقد ہو جاتا ہے۔ گروی رکھی ہوئی شے پر مرتہن کا قبضہ ہونا اس عقد کے لیے لازم ہے؛ بغیر قبضہ کیے یہ عقد درست نہیں ہوتا۔ شے پر قبضہ کرنے کے لیے اس شے کے مالک کی اجازت ضروری ہے۔ عقد رہن کے درست ہونے کی شرائط یہ ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ رہن شے کا مالک اور جس کے پاس رہن رکھوایا جائے دونوں عاقل ہوں ناسمجھ اور مجنون کا رہن رکھنا درست نہیں، بالغ ہونا اس عقد کے لیے شرط نہیں ہے؛ نابالغ بچہ جو عاقل ہو وہ یہ عقد کرے تو عقد درست ہو گا۔

ایسی تمام اشیاء جن کا شمار مال میں نہیں ہوتا یا وہ اشیا جو مالیت نہیں رکھتی مثلاً مردار خون وغیرہ ان کا رہن رکھنا درست نہیں۔ فروخت شدہ اشیا کا رہن بھی درست نہیں؛ اسی طرح جو شے بطور امانت کسی کے پاس ہو وہ بھی رہن نہیں رکھوائی جاسکتی۔ عقدِ رہن کے بارے میں یہ شرط نہیں ہے کہ پہلے سے قرض دیا ہو اور قرض کے عوض ہی رہن رکھوایا جاسکے؛ بلکہ قرض دینے کے وعدے پر بھی کوئی شے رہن رکھوائی جاسکتی ہے، مثلاً کسی نے وعدہ کیا کہ ایک ہزار قرض دوں گا بشرطیکہ اپنا مکان رہن دیجیے اس وعدے پر مکان رہن رکھ دیا تو یہ درست ہو گا۔[5]

ایسی شے جس کے کئی مالک ہوں یعنی وہ مشترکہ ملکیت ہو جس کے شرکاء کے حصّوں میں امتیاز کرنا ممکن نہ ہو یہ عقد شرکاء میں سے کسی نے کیا یا کسی اجنبی نے، دونوں صورتوں میں ایسی شے کا رہن رکھنا درست نہ ہو گا۔ وہ شے جس کو رہن رکھوایا جائے اس پر قبضہ کرنا مرتہن (جس کے پاس گروی رکھوایا جائے) کے اختیار میں ہو لہٰذا کسی پھل کا بغیر درخت کے اور کسی کھیتی کا بغیر زمین کے رہن رکھنا درست نہ ہو گا۔ ایسے مکان کا رہن بھی درست نہیں جس میں مالک کا سامان موجود ہو اور وہ سامان نکالنے سے قبل ہی گروی رکھنے والے کے حوالے کر دے۔

ایسی تمام اشیا کا رہن رکھنا جائز نہیں جس کا کوئی مالک نہ ہو یعنی مباح اشیا رہن کے لیے یہ ضروری شرط نہیں کہ رہن رکھوانے والا رہن رکھی جانے والی شے کا مالک ہو؛ لہٰذا ایک شخص کسی دوسرے کی مملوکہ شے کو بطور رہن رکھ سکتا ہے لیکن اس صورت میں اُس شخص کو مال پر تصرّف کا حق حاصل ہو، جیسے ولی اپنے نابالغ یا کم عقل بچے کی شے کو رہن رکھ سکتا ہے؛ ادھار لی ہوئی شے اس کے مالک کی اجازت سے رہن رکھوائی جاسکتی ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنے کسی دوست یا رشتے دار وغیرہ سے اُدھار شے لی اور اسے اپنے قرض کے عوض رہن رکھ دیا تو یہ رہن درست ہو گا بشرطیکہ مالک کی اجازت ہو۔ شے کا

مالک جو مدت مقرر کردے اس کی پابندی کرنا لازم ہوگا اس کی مخالفت کرنے کی صورت میں اُدھار دینے والے کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ اُس شے کو واپس لے کر اس عقد کو منسوخ کردے۔[٦]

مال رہن پر قبضہ اُس صورت میں درست ہوگا جب مالک نے اس بات کی اجازت دی ہو مثلاً وہ یہ کہے کہ گروی شے پر قبضے کی اجازت دے یا یوں کہے کہ میں اس شے پر قبضہ کی آپ کو اجازت دیتا ہو۔ اس وضاحت کے بعد گروی رکھنے والا شے پر قبضہ کرسکتا ہے دوسری صورت میں شے کا مالک خاموشی سے اس شے پر قبضے کی اجازت دے تو بھی درست ہوگا؛ لیکن اگر گروی رکھنے والے نے شے پر اس طرح قبضہ کیا کہ رہن کی شرائط میں سے کوئی شرط پوری نہ ہو تو یہ قبضہ ناقص اور عقد باطل ہوگا۔

رہن شے سے نفع کی ناجائز صورتیں

وہ اشیا جو رہن رکھوائی جائیں خواہ وہ مال ہو یا اراضی زرعی اس مال سے نفع حاصل کرنا راہن اور مرتہن دونوں کو جائز نہیں۔ حنفی علما کے نزدیک رہن شے کے مالک کو رہن رکھی ہوئی شے سے کسی قسم کا فائدہ لینا جائز نہیں جب تک رہن رکھنے والا شخص اس بات کی اجازت نہ دے؛ اسی طرح رہن رکھنے والے کو شے کے مالک کی اجازت کے بغیر نفع حاصل کرنا جائز نہیں کہ رہن رکھے جانور یا رہن شدہ مکان میں خود رہے یا اُسے کرائے پر دے۔ شے کا مالک نفع کی اجازت اپنی خوشی سے دے اور اس کا ایسا کرنا محض حسنِ سلوک کے طور پر ہو اور جب وہ اس شے سے نفع کو منع کردے اس وقت رہن رکھنے والے پر لازم ہے کہ فوراً اس کے حکم کی پابندی کرے اور اس شے کو صرف رہن کے طور پر اپنے پاس رکھے۔ عقد کے وقت ہی یہ شرط طے کرلی کہ قرض دینے والا یہ کہے میں یہ قرض تمہیں اس شرط پر دوں گا کہ جب تم رہن رکھی ہوئی شے سے فائدے کی اجازت دوگے اور قرض دار مجبوراً اس شرط کو قبول کرلیتا ہے اس صورت میں مرتہن کو نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اجازت مجبوراً لی گئی ہے۔[٧]

اسی طرح رہن رکھے ہوئے مال کو اس کے مالک کی اجازت سے مرتہن نے بیچ دیا تو یہ بیع نافذ نہ ہوگی۔ جب تک راہن (شے کا مالک) اس فروخت کی اجازت نہ دے بغیر اجازت شے کے مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس بیع کو منسوخ کردے اس مال کو پھر مرتہن کے پاس رہن رکھوادے؛ اسی طرح رہن رکھے ہوئے مال پر راہن (شے کا مالک) مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا جائے) کی اجازت کے بغیر فروخت کردے، تو اس فروخت پر عمل درآمد نہیں ہوگا البتہ مرتہن کو اس بیع کے منسوخ کرنے کا اختیار حاصل نہیں؛ بلکہ خریدار کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اس رہن کی مدت ختم ہونے کا انتظار کرے بشرطیکہ اسے خریدنے سے قبل اس کا علم نہ ہو کہ یہ مال رہن کا ہے یا نہیں۔

شے کا مالک مرتہن کو فروخت کی اجازت دے بھی تو اس مالِ رہن کو فروخت کرکے جو قیمت مرتہن حاصل کرے وہ قیمت اپنے پاس رہن رکھ لے؛ اس صورت میں یہ قیمت اصل شے کے بدلے رہن رکھی جائے گی۔ مرتہن اس رہن رکھی ہوئی شے کا اس وقت تک ذمّے دار ہے جب تک وہ مال اُس کے پاس ہے۔ وہ مال یا شے مالک کے پاس جا کر ضائع ہوگئی تو اس صورت میں مرتہن اس کا دین دار نہیں اور نہ ہی اس مال کے تلف ہوجانے کی صورت میں قرض کی وصولی میں کوئی کمی ہوگی۔ اگر راہن مرتہن کو اس بات کی اجازت دے کہ وہ رہن رکھا مال کسی کے پاس بطور امانت رکھوادے اور وہ شے امانتی کے پاس سے تلف ہوجائے تو اس صورت میں وہ قرض میں محسوب ہوجائے گا۔[٨]

امام احمد رضا کی عقدِ رہن سے متعلق تحقیقات

امام احمد رضا نے "عقدِ رہن" سے متعلق اپنی تحقیقات کو فتاوٰی رضویہ میں بیان کیا۔ عقد رہن میں خصوصاً گروی رکھی ہوئی شے سے مرتہن اور راہن دونوں کو کس قدر نفع لینے کا حق ہے آپ نے اس خاص مسئلے پر تفصیلاً بیان فرمایا۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ شریعتِ مطہرہ نے عقدِ رہن کی اجازت اس غرض سے دی ہے کہ قرض دینے والے کو اس بات کا مکمل اطمینان حاصل ہوجائے کہ اس کی دی ہوئی رقم اس کو واپس مل جائے گی؛ اس قرض کے عوض قرض خواہ کے پاس جو شے گروی رکھی ہوئی ہے اس شے کو اپنے استعمال میں لانا یا اس سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا جائز نہیں، بلکہ اگر وہ اس گروی رکھی ہوئی شے کو اپنے کسی فائدے کے لیے استعمال کرے تو وہ خدا تعالیٰ کی بارگارہ میں غاصب اور گناہ گار ٹھہرے گا۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں گروی شے سے نفع حاصل کرنے کی جو صورتیں ہمارے ہاں رواج پاچکی ہیں جن کے تحت گروی رکھی ہوئی شے سے نفع حاصل کرنا مرتہن (جس کے پاس گروی رکھوائی جائے) اپنا حق سمجھتا ہے اور شے کا مالک مجبوراً اُس شے سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دیتا ہے، ایسی سب صورتیں قطعی حرام ہیں؛ گروی رکھی ہوئی شے سے

نفع حاصل کرنا حرام اور سود میں شمار ہو گا۔ یہ صورتیں درجِ ذیل ہیں:

(۱) امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص قرض کے عوض اپنی کوئی شے قرض خواہ کے پاس گروی رکھوا دیتا ہے تو اس صورت میں قرض دار مجبوراً قرض کے دباؤ کی وجہ سے اپنی گروی رکھی ہوئی شے سے نفع اٹھانے کی مرتہن کو اجازت دے دیتا ہے۔ بلکہ عقد کے وقت یہ شرط عائد کی جاتی ہے کہ ہم تم کو اس وقت تک قرض نہیں دیں گے جب تک تم اپنی گروی شے سے نفع اٹھانے کی اجازت نہیں دو گے اور قرض دار مجبوراً اس شے سے نفع کی اجازت دے دیتا ہے کہ یہ صورت قطعاً حرام ہے۔

(۲) اس طرح بعض اوقات گروی رکھی ہوئی شے کو اس کا مالک ہی مرتہن سے کرائے پر حاصل کر لیتا ہے یہ صورت بھی قطعاً ناجائز ہے، کیوں کہ مالک کا اپنی ہی مِلک کو دوسرے سے کرائے پر لینا کوئی معنٰی نہیں رکھتا اور نہ ہی گروی رکھنے والے کو جائز ہے کہ وہ اس شے کو کرائے پر دے کر نفع حاصل کرے؛ بلکہ گروی رکھی شے جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔[9]

(۳) بعض اوقات عقد کے وقت راہن اور مرتہن آپس کی رضا مندی سے کوئی منفعت طے کر لیں تو یہ منفعت محض احسان و مروت کے طے ہوئی، اس کا طے ہونا حسنِ سلوک کے طور پر ہے، نہ کہ قرض کی شرط پر، مثلاً عقد کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں پہلی کہ عقد کے وقت ہی قرار داد طے ہو جائے کہ نفع حاصل کریں گے، دوسری یہ کہ عقد کے وقت زبان سے اقرار نہ کیا جائے بلکہ خاموشی ہی اختیار کی جائے مگر اس علاقے کے رواج کے مطابق گروی شے سے نفع اٹھانا مشہور و معروف ہو، ان دونوں صورتوں میں نفع اٹھانا حرام ہے۔[10]

(۴) گروی رکھنے والا شخص شے کے مالک سے اجازت لے کر اُسے کرائے پر دے اور کرایہ خود حاصل کرے تو مرتہن کے لیے وہ کرایہ لینا ناجائز ہو گا بلکہ وہ کرایہ مالک کا ہو گا۔

(۵) رہن رکھی شے سے نفع حاصل کیا جائے یا اُسے کرائے پر دیا جائے اور شے کے مالک کو بعد میں اس حقیقت کا علم ہو اور وہ سارا حاصل کیا ہوا نفع گروی رکھنے والے کو ہبہ کر دے یا معاف کر دے تو ان کے معاف کرنے اور ہبہ سے بھی کچھ فرق نہیں پڑے گا بلکہ یہ منافع مرتہن کو کھانا حرام ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ اُس شے کے مالک کو ادا کر دے یا پھر اس منافع کو صدقہ و خیرات کر دے اُس مال کے حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔[11]

امام احمد رضا سے سوال ہوا کہ کچھ لوگ ایک قطعہ زمین کے مالک تھے، انہوں نے یہ زمین رہن کی زرِ رہن خود لے لیا اور زمین پر قبضہ مرتہنان کو دے دیا رہن نامہ میں یہ لکھ دیا کہ ہم نے اس زمین کا منافع گروی رکھنے والوں کو ہبہ کر دیا یا بخش دیا ان اشخاص میں سے جنہوں نے زمین رہن کی اکثر لوگ فوت ہو گئے ان کے فوت ہونے کے بعد گروی رکھنے والوں نے منافع زائد از مقدارِ زرِ رہن کے حاصل کیا رہن کے مالکان کے وارث مرتہنان کو بغیر قرض ادا کیے اپنی زمین واپس لے سکتے ہیں یعنی جو منافع مرتہنان نے حاصل کیا وہ قرض میں سے مِنہا کر کے اپنی زمین واپس لے سکتے ہیں۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ رہن رکھی شے سے نفع کو زمین کے مالکان ہبہ کر دیں اس صورت میں بھی وہ نفع حاصل کرنا ان کو جائز نہیں؛ راہنوں کی اجازت اس عرف و رواج پر مبنی ہے کہ وہ قرض کے دباؤ سے اپنی گروی رکھی ہوئی شے سے نفع کی اجازت دیتے ہیں اور وہ ضرور زمین کے مالکوں کو مجبور کر کے دستاویز تحریر کروا لیتے ہیں اس تحریر کے بعد بھی مالکان زمین سے فائدہ اٹھانے سے منع کریں وہ باز نہیں آئے۔ بلکہ اس وقت تک نفع حاصل کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں جب تک وہ لوگ قرض ادا کر کے اپنی زمین واپس نہیں لے لیتے۔ ایسی صورتیں قطعاً ناجائز اور حرام ہیں۔

(۶) گروی رکھی ہوئی شے کے مالک کے فوت ہو جانے کی صورت میں جب کہ اس کا کوئی بھی وارث موجود نہ ہو جس کو اُس شے کا مالک بنایا جا سکے اس صورت میں مرتہن پر لازم نہیں ہے کہ وہ گروی رکھی ہوئی شے کو اپنی ملک میں لے؛ مرتہن کسی بھی صورت رہن رکھی شے کا مالک نہیں ہو سکتا؛ اس پر لازم ہے کہ اس نے جو قرض کی رقم اس شخص کو دی تھی اس گروی رکھی ہوئی شے کی مالیت سے اپنے قرض کی رقم نکال کر باقی جو بچے وہ فقراء کو صدقہ کر دے لیکن اُس گروی رکھی شے کی مالیت اس کے قرض کی رقم سے کم ہو یا برابر ہو اس صورت میں مرتہن اس گروی شے کو یا اس رقم کو اپنے دین میں لے سکتا ہے۔[12]

(۷) رہن نامہ میں درج کیا جاتا ہے کہ قرض دار جب تک قرض کی رقم ادا نہیں کرے گا اس کی جو شے گروی رکھوائی ہے مرتہن جس

طرح چاہے خود استعمال کرے، یا کسی دوسرے کو کرائے پر دے اگر شے کا مالک ایسا کرنے کی اجازت نہ دے تو مرتہن یہ عذر بیان کرتے ہیں کہ ہمارا قرض واپس کرو یا اس شے سے نفع حاصل کرنے دو جب تم قرض ادا کر دو گے اس وقت یہ شے تمہیں واپس مل جائے گی۔ یہ صورت قطعاً حرام ہے۔ [۱۳]

(۸) ایک شخص کسی دوسرے سے قرض لے کر اس روپیہ کی ضمانت میں ایک تحریر لکھتا ہے کہ جس میں روپیہ کی ضمانت میں اپنی کوئی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ تحریر کی جاتی ہے یعنی لکھا جاتا ہے کہ میں نے اپنی جائیداد تیرے دین میں مکفول کی اسے کفالت یا استغراق کہتے ہیں جو شرعاً باطل ہے جس کا ذکر ہم کفالت سے متعلق اپنے مقالے میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔ [۱۴]

جواز کی صورت

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ گروی رکھی ہوئی شے کی شرعی صورت تو یہی ہے کہ مرتہن اُسے شے پر قبضہ رکھے اور اس شے سے کسی قسم کا نفع حاصل نہ کرے۔ نفع حاصل کرنے کی جائز صورت یہ ہے کہ گروی رکھی شے کا مالک نہ کسی قرض کے دباؤ کی وجہ سے نہ مرتہن کی طرف سے کوئی شرط عائد کرنے کی وجہ سے مرہون شے (گروی رکھی ہوئی شے) سے نفع اٹھانے کی اجازت دے بلکہ اُس کا اجازت دینا محض حسن سلوک کے طور پر ہو کہ وہ اس کو کہہ دے کہ جب تک چاہو تم اس شے سے نفع حاصل کر سکتے ہیں ایسا کرنا راہن کی مرضی پر موقوف ہو؛ وہ صرف خالص نیت سے اپنی خوشی سے صرف بطور احسان اُسے اجازت دے؛ نہ مرتہن اس پر قرض کا دباؤ ڈالے، نہ ہی اُسے ایسا کرنے پر مجبور کرے۔

مثال کے طور پر راہن نے جو مکان قرض کے عوض گروی رکھوایا ہے اس مکان میں مرتہن کو رہنے کی اجازت دے، اس طرح اس میں رہائش اختیار کرنا مرتہن کو جائز ہوگا اور وہ اس مکان میں اس مخصوص عرصے تک مالک کی رضامندی سے رہے اور جب مالکِ مکان یہ کہے کہ تمہارا رہنا مجھے منظور نہیں یا میرا مکان خالی کر دو اُس صورت میں مرتہن پر لازم ہے کہ وہ مالک کے کہنے کے مطابق عمل کرے یہاں تک کہ مالک اُس کو کہے کہ میرے گھر سے نکل جاؤ تو فوراً مرتہن بلا عذر چلا جائے بلکہ اس حال میں کہ اگر ایک قدم دروازے کے اندر اور ایک باہر ہے اور مالک کہے کہ مجھے تمہارا رہنا منظور نہیں تو مرتہن پر اُس کے حکم کی پابندی لازم ہے وہ فوراً اپنا قدم باہر نکال لے۔ [۱۵]

نہ کہ وہ یہ عذر بیان کرے کہ جب میرا قرض واپس کرو گے اس وقت مکان بھی خالی کر دوں گا، یہ صورت قطعاً حرام ہے اور اس مکان میں رہنا مرتہن کے لیے جائز نہیں ہے۔

دخلی رہن

دخلی رہن کی صورت قطعاً حرام ہے؛ عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے قرض دینے والا یہ کہتا ہے کہ جب تک تم قرض ادا نہیں کرو گے اس وقت تک مجھے یہ حق حاصل ہے کہ جس طرح چاہوں میں اس شے سے نفع حاصل کروں یعنی اگر دکان یا مکان رہن رکھوایا تو وہ اس مکان یا دکان کی اپنی پاس سے مرمت کروائے اس سے فائدہ حاصل کرے یا اسے کرائے پر دے کر کرایہ اپنے پاس رکھے اور قرض دار سے یہ شرط کر لیتا ہے کہ جب میرا قرض ادا کر دو گے اس وقت دکان یا مکان تمہیں واپس کر دوں گا۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں یہ منافع کھانا اور گروی رکھی شے سے نفع اٹھانا حرام ہے اور قرض دار سے یہ شرط کر لینا کہ جب قرض ادا کرو گے اس وقت تک اس کا نفع میرا حق ہے۔ یہ دخلی رہن کی صورت ہے اور یہ سود ہے ہر وہ قرض جس کے ذریعے منفعت حاصل کی جاسکے وہ سود ہے۔

اس طرح رہن رکھی ہوئی زمین سے رہن رکھنے والے کو اس زمین سے منفعت حاصل کرنا اس میں کھیتی کرنا یہ سب حرام ہیں۔ [۱۶]

خلاصۂ تحقیق

امام احمد رضا نے عقدِ رہن سے متعلق مسائل کو بیان کر کے ناجائز صورتوں کی نشاندہی کی بلکہ ساتھ ہی جواز کی صورت بھی بیان فرمائی۔ قرض دینے والا رہن شے کا مالک نہیں اور نہ ہی وہ اس شے کو اپنے استعمال میں لا کر اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے نہ ہی اس شرط پر قرض دے سکتا ہے کہ رہن شے سے جب تک چاہوں فائدہ حاصل کروں شے کا مالک مجبوراً اُسے اس سے فائدہ کی اجازت دے دیتا ہے۔ ایسی تمام صورتیں ناجائز و حرام ہیں۔ رہن شے کے مالک فوت ہو جانے کی صورت میں بھی رہن رکھنے والا اس شے کا مالک نہیں بن سکتا۔ مالک وہ منافع رہن والے کو ہبہ کر دے یا معاف بھی کر دے

اس صورت میں بھی رہن رکھنے والا اس منافع کا مالک نہیں بن سکتا، اس طرح دخلی رہن کی صورت بھی قطعاً حرام اور سود ہے۔

نتائج

اس تحقیقی مقالے سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے گئے ہیں:

۱۔ عقدِ رہن کا جواز قرآن وحدیث سے ثابت ہے عقد رہن کے درست ہونے کی شرائط شرع نے بیان کیں ہیں، ان کے مطابق اس عقد کو طے کیا جائے۔

۲۔ رہن رکھنے والے کو رہن شے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا یا اُسے اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں رہن شے رکھنے والے کے لیے وہ نفع سود اور حرام کے معنوں میں آتا ہے۔

۳۔ رہن شے کے مالک کو بھی رہن شے سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں؛ اس طرح دونوں شے کا مالک اور جس کے پاس رہن رکھوائی جائے اس شے سے کسی قسم کا نفع حاصل نہیں کرسکتے اور نہ ہی رہن رکھنے والا اس شرط پر قرض دے کہ وہ اس شے سے نفع حاصل کریگا۔

۴۔ عہدِ حاضر میں بھی رہن شے رکھ کر قرضوں کا لین دین جاری ہے؛ اس عقد کو شرح مطہرہ اصولوں کی روشنی میں طے کیا جائے۔

۵۔ امام احمد رضا کی بیان کردہ تحقیقات سے مدد لے کر آج کل رائج عقدِ رہن کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

عملی اطلاق

عقدِ رہن آج کل کے دور میں رائج ہے؛ قرضے لینے کے عرض اشیاء جائیداد وغیرہ رہن رکھوائی جاتی ہیں؛ سرکاری سطح پر بھی، اور نجی سطح پر بھی قرضوں کا لین دین جاری ہے۔ سرکاری سطح پر بینکوں سے قرضے وصول کیے جاتے ہیں قرض دار اس قرض کے عوض رہن رکھواتا ہے۔ اس کی یہ صورتیں ہیں: بینکوں میں زیورات گروی رکھوا کر اس کے عوض بھی قرضوں کی وصولی ہوتی ہے بینک ایک معینہ مدت تک زیورات کو گروی رکھ کر قرض دیتا ہے۔ بینک قرض کی رقم پر کچھ شرح متعین کرتا ہے اور وہ قرض کی رقم اس شرح کے ساتھ بینک کو واپس ادا کرنی ہوتی ہے۔ معیّنہ مدت تک قرض ادا نہ ہونے کی صورت میں بینک زیورات کو نیلام کرکے اس قرض کی رقم کو وصول کرلیتا ہے۔

اِسی طرح جائیداد وغیرہ کو گروی رکھوا کر بینک سے قرضہ وصول کیا جاتا ہے بینک قرضے کے عوض متعلقہ جائیداد کے کاغذات رجسٹری وغیرہ اپنے پاس گروی رکھ لیتا ہے۔ اس مدت کے بعد قرض واپس نہ ہونے کی صورت میں بینک اس پراپرٹی پر قبضہ کرلیتا ہے۔ اسی طرح آج کل گھروں کی خریداری پر بھی بینک قرضے کے طور پر رقم دے دیتا ہے۔

دورِ حاضر میں یہ جو صورتیں رہن کی رائج ہیں ان کو امام احمد رضا کی تعلیمات سے مدد لے کر ان کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ رہن رکھی ہوئی شے پر رہن رکھنے والے کا قبضہ ضروری ہوتا ہے۔ جائیداد کے کاغذات کو رہن کے طور پر رکھ کر قرضے دیے جاتے ہیں، اس صورت میں تو گروی جائیداد پر قبضہ بھی نہیں ہوتا۔

شریعت کے مطابق گروی شے رکھنے والا اُس شے کو قائم رکھنے کا پابند ہوتا ہے، شے کے مالک کی اجازت کے بغیر فروخت کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ موجودہ صورت میں اجازت تو درکنار خود بخود اس شے کو فروخت کر کے قرضے کی رقم وصول کرلی جاتی ہے۔ جیسے بینکوں میں زیورات، جائیداد کو فروخت کرنا وغیرہ، اس صورت میں امام احمد رضا کی تعلیمات سے رہن کی مدت کا تعین اس عقد کو باطل کردیتا ہے اور دورِ جدید میں جو معینہ مدت تک قرضے کی وصولی نہ ہونے کی صورت میں گروی رکھی جائیداد کو بیچا جاتا ہے ان تمام صورتوں میں آپ کی تعلیمات سے مدد لے کر اس عقد کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

فہرست مصادر و مراجع

۱۔ بہارِ شریعت، مولانا امجد علی اعظمی، ج۲، ص۱۹، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز؛ کتاب الفقہ، عبدالرحمٰن الجزیری، ج۳، ص ۴۲۲، علماء اکیڈمی، محکمہ اوقاف پنجاب، ۲۰۰۶ء

۲۔ القرآن الکریم ۲ : ۲۸۳۔ ۳۔ القرآن الکریم ۲ : ۲۸۲۔

۴۔ صحیح بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، کتاب الرہن، ج۱، ص ۸۶۵۔

۵۔ بہارِ شریعت، ج۲، ص۱۹؛ بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، احمد بن رشد القرطبی، ص۹۵۹، مطبوعہ دارالتذکیر، لاہور، ۲۰۰۲ء۔

۶۔ کتاب الفقہ، ج۳، ص۴۲۹۔ ۷۔ ایضاً، ص ۴۴۳۔

۸۔ بہارِ شریعت، ج۲، ص۲۱۔

۹۔ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ (مع تخریج و ترجمہ عبارات)، امام احمد رضا بریلوی، ج۲۵، ص۲۲۱، رضا فاونڈیشن جامعہ نظامیہ، لاہور۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۴۳۔ ۱۱۔ ایضاً، ص۲۵۹۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۴۱۔ ۱۳۔ ایضاً، ص۲۵۸۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۷۴۔ ۱۵۔ ایضاً، ص۲۲۳۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۰۲۔

ترتیب: فرحان احمد قادری (مصطفوی شریعہ کالج، کراچی)

Abstract: Imam Ahmad Raza was a popular religious figure among the public and ulema. Ulema, Sufi masters, heads of states and judges consulted him for rulings. Likewise masses approached him for solutions to daily-life affairs. This article presents a collection of Ahmad Raza's rulings on those common questions from vol.24 (new edition) of *Fatawa-e Razavia*.

امام احمد رضا مرجعِ خواص و عوام تھے۔ آپ کے زمانے کے علماو مشائخ، والیانِ ریاست و جج صاحبان آپ کی طرف کثیر مسائل کے حل کے لیے رجوع کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ عام مسلمان بھی اپنے روزمرّہ کے معاملات میں آپ سے شرعی احکام معلوم کرتے۔ معارف رضا میں ان فتاوٰی کو پیش کرنے کے لیے "جانیے" کے عنوان سے سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اس ماہ کا انتخاب فتاوٰی رضویہ کی تخریج شدہ جلد ۲۴ سے ماخوذ ہے۔ بطورِ حوالہ متعلقہ صفحہ نمبر (قوسین) میں درج کر دیا گیا ہے۔ (عبید)

اولاد پر حقّ پدر زیادہ ہے یا حقّ مادر؟

اولاد پر ماں باپ کا حق نہایت عظیم ہے اور ماں کا حق اس سے اعظم، قال اللہ تعالٰی : ووصینا الانسان بوالدیه احسانا حملته امه کرها ووضعته کرها وحمله وفصاله ثلثون شهرا۔ اور ہم نے تاکید کی آدمی کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کی، اسے پیٹ میں رکھے رہی اس کی ماں تکلیف سے، اور اسے جنا تکلیف سے، اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھُٹنا تیس مہینے میں ہے۔ (القرآن الکریم)

اس آیۂ کریمہ میں رب العزّت نے ماں باپ دونوں کے حق میں تاکید فرما کر ماں کو پھر خاص الگ کر کے گنا اور اس کی ان سختیوں اور تکلیفوں کو جو اسے حمل وولادت اور دو برس تک اپنے خون کا عطر پلانے میں پیش آئیں جن کے باعث اس کا حق بہت اشد و اعظم ہو گیا شمار فرمایا۔ اسی طرح دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: ووصینا الانسان بوالدیه حملته امه وهنا علی وهن وفصاله فی عامین ان اشکرلی ولوالدیك۔ تاکید کی ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے حق میں کہ پیٹ میں رکھا اسے اس کی ماں نے سختی پر سختی اٹھا کر، اور اس کا دودھ چھُٹنا دو برس میں ہے، یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا (القرآن الکریم)۔ یہاں ماں باپ کے حق کی کوئی نہایت نہ رکھی کہ انہیں اپنے حقِّ جلیل کے ساتھ شمار کیا، فرماتا ہے: شکر بجالا میرا اور اپنے ماں باپ کا، اللہ اکبر اللہ اکبر وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم.

یہ دونوں آیتیں اور اسی طرح بہت حدیثیں دلیل ہیں کہ ماں کا حق باپ کے حق سے زائد ہے۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں: یعنی میں نے حضورِ اقدس ﷺ سے عرض کی عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے، فرمایا شوہر کا، میں نے عرض کی اور مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے، فرمایا اس کی ماں کا۔ ابو ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے خدمتِ اقدسِ حضورِ پرنور صلوات اللہ وسلامہ علیہ میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ سب سے زیادہ کون اس کا مستحق ہے کہ میں اس کے ساتھ نیک رفاقت کروں، فرمایا تیری ماں، عرض کی پھر، فرمایا تیرا باپ۔ تیسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: میں ایک آدمی کو وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں، وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں، وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں، وصیت کرتا ہوں اس کے باپ کے حق میں۔ مگر اس زیادت کے یہ معنٰی ہیں کہ خدمت میں دینے میں باپ پر ماں کو ترجیح دے

مثلاً سو روپے ہیں اور کوئی خاص وجہ مانع تفضیل مادر نہیں تو باپ کو پچیس دے ماں کو پچھتر، یا ماں باپ دونوں نے ایک ساتھ پانی مانگا تو پہلے ماں کو پلائے پھر باپ کو، یا دونوں سفر سے آئے ہیں پہلے ماں کے پاؤں دبائے پھر باپ کے، وعلٰی ہذا القیاس، نہ یہ کہ اگر والدین میں باہم تنازع ہو تو ماں کا ساتھ دے کر معاذاللہ باپ کے درپے ایذا ہو یا اس پر کسی طرح درشتی کرے یا اسے جواب دے یا بے ادبانہ آنکھ ملا کر بات کرے، یہ سب باتیں حرام؛ اور اللہ عزوجل کی معصیت میں، نہ ماں کی اطاعت ہے نہ باپ کی، تو اسے ماں باپ میں سے کسی

کا ایسا ساتھ دینا ہر گز جائز نہیں۔ وہ دونوں اس کی جنت ونار ہیں، جسے ایذا دے گا دوزخ کا مستحق ہوگا والعیاذ باللہ۔ معصیتِ خالق میں کسی کی اطاعت نہیں، اگر مثلاً ماں چاہتی ہے کہ یہ باپ کو کسی طرح کا آزار پہنچائے اور یہ نہیں مانتا تو وہ ناراض ہوتی ہے، ہونے دے اور ہر گز نہ مانے، ایسے ہی باپ کی طرف سے ماں کے معاملہ میں، ان کی ایسی ناراضیاں کچھ قابل لحاظ نہ ہوں گی کہ یہ ان کی نری زیادتی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چاہتے ہیں بلکہ ہمارے علمائے کرام نے یوں تقسیم فرمائی ہے کہ خدمت میں ماں کو ترجیح ہے جس کی مثالیں ہم لکھ آئے ہیں، اور تعظیم باپ کی زائد ہے کہ وہ اس کی ماں کا بھی حاکم و آقا ہے۔ (ص: ۳۸۷تا۳۹۰)

سوال: احادیث اور آثار قیامت کے دن حقوق العباد کی صلح وصفائی وگرفت کے بارے میں جو وارد ہیں کیا وہ مومنوں کے حقوق، مومنوں کے ذمے لازم اور مخصوص ہیں یا صرف انسانی حقوق ہیں کہ جس میں مومن اور غیر مومن برابر ہیں۔ البتہ وہ مومنوں کے ذمے لازم ہیں، یا عام طور پر مخلوق الٰہی کے حقوق بندہ مومن کے ذمے لازم ہیں۔ اگر انسان کے علاوہ دوسری مخلوق بھی فریق مخالف ہو، یا انسان زندہ نہ رہے یا اس کی یاد سے یہ بات نکل جائے یا حقوق ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا اہل حقوق سے معاف کرنے کی امید نہ ہو یا اہل حقوق معافی طلب کرنے کے باوجود معاف نہ کریں، تو ان تمام صورتوں میں شریعت کے مطابق مومن کے بری الذمہ ہونے کی کیا صورت ہے؟

جواب: اخبار اور آثار مطلق حقوق کے متعلق وارد ہیں، خواہ مومن ہو یا کافر ذمی، انسان ہو یا حیوان، اس لئے کہ ائمہ کرام نے تصریح فرمائی کہ جانوروں کا جھگڑنا اور فریق مخالف ہونا، ذمی کافر کی مخالفت سے زیادہ سخت ہے، اور ذمی کی مخالفت مسلمان کی مخالفت سے زیادہ سخت ہے جیسا کہ ''فتاوٰی قاضیخان'' اور ''در مختار'' وغیرہ میں مذکور ہے۔ اور اہل سنّت کا اتفاق ہے کہ کوئی دھمکی مسلمان کے حق میں قطعی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔ اور اس سے کمتر جس کے لئے چاہے معاف کر دیتا ہے اور یہ جو وارد ہوا ہے کہ ذمی کی مخالفت زیادہ سخت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے معافی کی امید نہیں۔ پھر وہ اپنی مخالفت میں باقی رہے گا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی مخالفت طویل ہو جائے گی اور اس میں یہ نہیں کہ عذاب کی دھمکی ضرور نافذ ہوگی، حقوق واصحاب سب کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے کہ جس کی عزّت بڑی ہے۔ لہٰذا وہ کرتا ہے جو چاہے اور فیصلہ کرتا ہے جس کا ارادہ فرمائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں۔ (ص: ۳۸۲،۳۸۱)

ذمّۂ زید حقوق العباد ہوں تو ان کا کیا کفارہ ہے اور کفارہ نہ ہو تو سبک دوشی کی صورت

جس کا مال دبایا ہے فرض ہے کہ اُتنا مال اسے دے، وہ نہ رہا ہو اس کے وارث کو دے، وہ نہ ہوں فقیر کو دے، بے اس کے سبک دوش نہیں ہو سکتا، اور جسے علاوہ مال کچھ ایذا دی ہو یا برا کہا ہو اس سے معافی مانگے یہاں تک کہ وہ معاف کر دے، جس طرح ممکن ہو معافی لے، وہ نہ رہا ہو اور تھا مسلمان تو اس کے لئے صدقہ و تلاوت و نوافل کا ثواب پہنچاتا رہے، اور کافر تھا تو کوئی علاج نہیں سوا اس کے کہ اپنے رب کی طرف رجوع اور توبہ واستغفار کرتا رہے وہ مالک و قادر ہے۔ (ص: ۳۷۹)

شوہر پر بیوی کے حقوق

نفقہ سکنی، مہر، حسن معاشرت، نیک باتوں اور حیاء وحجاب کی تعلیم و تاکید اور اس کے خلاف سے منع التھدید، جائز باتوں میں اسکی دل جوئی اور مردان خدا کی سنت پر عمل کی توفیق ہو تو ماورائے مناہی شرعیہ میں، اس کی ایذا کا تحمل کمال خیر ہے اگرچہ یہ حق زن نہیں (ص: ۳۷۱)

بیوی پر شوہر کے حقوق

امور متعلقہ زن شوی میں مطلقاً اس کی اطاعت کہ ان امور میں اس کی اطاعت والدین پر بھی مقدم ہے، اس کے ناموس کی بشدت حفاظت، اس کے مال کی حفاظت، ہر بات میں اس کی خیر خواہی، ہر وقت امور جائز میں اس کی رضا کا طالب رہنا، اسے اپنا مولیٰ جاننا، نام لے کر نہ پکارنا، کسی سے اس کی بے جا شکایت نہ کرنا، اور خدا توفیق دے تو بجا سے بھی احتراز کرنا بے اس کی اجازت کے آٹھویں دن سے پہلے والدین یا سال بھر سے پہلے اور محارم کے یہاں جانا وہ ناراض ہو تو اس کی انتہائی خوشامد کرکے اسے منانا اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ کر کہنا کہ یہ میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے یہاں تک کہ تم راضی ہو یعنی میں تمہاری مملوکہ ہوں جو چاہو کرو مگر راضی ہو جاؤ۔ (ص: ۳۷۱)

نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''اگر میں کسی کو غیر خدا کے سجدے کا حکم دیتا

تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔" اور ایک حدیث میں ہے: "اگر شوہر کے نتھنوں سے خون اور پیپ بہہ کر اس کی ایڑیوں تک جسم بھر گیا ہو اور عورت اپنی زبان سے چاٹ کر اسے صاف کرے تو اس کا حق ادا نہ ہو گا۔" (ص: ۳۸۰)

بیوی اور شوہر میں حق زیادہ کس کا ہے اور کہاں تک؟

زن و شوہر میں ہر ایک کے دوسرے پر حقوق کثیرہ واجب ہیں؛ ان میں جو بجانہ لائے گا اپنے گناہ میں گرفتار ہو گا، اگر ایک ادائے حق نہ کرے تو دوسرا اسے دستاویز بنا کر اس کے حق کو ساقط نہیں کر سکتا؛ مگر وہ حقوق کہ دوسرے کے کسی حق پر مبنی ہوں اگر یہ اس کا ایسا حق ترک کرے وہ دوسرا اس کے یہ حقوق کہ اس پر مبنی تھے ترک کر سکتا ہے۔ جیسے عورت کا نان ونفقہ کہ شوہر کے یہاں پابند رہنے کا بدلہ ہے، اگر ناحق اس کے یہاں سے چلی جائے گی جب تک واپس نہ آئے گی کچھ نہ پائے گی۔ غرض واجب ہونے مطالبہ ہونے، بے وجہ شرعی ادا نہ کرنے سے گنہگار ہونے میں تو حقوق زن و شوہر برابر ہیں۔ ہاں، شوہر کے حقوق عورت پر بکثرت ہیں اور اس پر وجوب بھی اشد و آکد، ہم اس پر حدیث لکھ چکے کہ عورت پر سب سے بڑا حق شوہر کا ہے۔ یعنی ماں باپ سے بھی زیادہ، اور مرد پر سب سے بڑا حق ماں کا ہے یعنی زوجہ کا حق اس سے بلکہ باپ سے بھی کم، ذٰلك بما فضل الله بعضهم علی بعض (یہ اللہ تعالیٰ کا بعض پر بعض کا فضل ہے۔) (ص: ۳۹۱)

غیر کی عورت سے زنا کرنے والا اس عورت سے معافی لینا چاہتا ہے اس کی صورت کیا ہو سکتی ہے؟

حقوق اللہ معاف ہونے کی دو صورتیں ہیں:

اوّل توبہ، قال الله تعالیٰ: هو الذی یقبل التوبة عن عبادہ ویعفو عن السیئات۔ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہ معاف کرتا ہے۔ (القرآن الکریم)

دوم عفوالٰہی، قال الله تعالیٰ: فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے معاف فرمادے، اور جس کو چاہے سزا دے۔ (القرآن الکریم) وقال الله تعالیٰ: ان الله یغفر الذنوب جمیعا انه هو الغفور الرحیم۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دیتا ہے کیونکہ وہی گناہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (القرآن الکریم)

اور حقوق العباد معاف ہونے کی بھی دو صورتیں ہیں:

(۱) جو قابل ادا ہے ادا کرنا ورنہ ان سے معافی چاہنا، صحیح بخاری شریف میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں: جس کے ذمہ اپنے بھائی کا آبرو وغیرہ کسی بات کا مظلمہ ہو اسے لازم ہے کہ یہیں اس سے معافی چاہ لے قبل اس وقت کے آنے کے کہ وہاں نہ روپیہ ہو گا نہ اشرفی، اگر اس کے پاس کچھ نیکیاں ہوں گی تو بقدر اس کے حق کے اس سے لے کر اسے دی جائیں گی ورنہ اس کے گناہ اس پر رکھے جائیں گے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ کہ صاحب حق بلا معاوضہ لئے معاف کردے، قال تعالیٰ: فاعفوا واصفحوا۔ تم دوسروں کو معاف کردو اور ان سے درگزر کرو۔ (القرآن الکریم) وقال تعالیٰ: الا تحبون ان یغفر الله لکم کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے (آیت)

اور بعض طرق جامعہ جن سے حقوق اللہ و حقوق العباد باذن اللہ تعالیٰ سب معاف ہو جاتے جن کی تفصیل ہم نے "تعلیقات ردالمحتار" میں ذکر کی۔ منها شهادة البحر، ومنها قتل الصبر ومنها الحج المبرور وغیرذٰلك۔ ان میں سے دریائی شہادت ہے ان میں سے روک کر نشانہ سے مارڈالنا ہے، اور اُن میں سے حج مقبول، اور اسی نوع کے دوسرے کام ہیں۔

عورت اگر معاذاللہ زانیہ ہے یعنی زنا اس کی رضا سے ہوا تو اس میں اس کا کچھ حق نہیں تو اس سے معافی کی حاجت کیا؛ بلکہ خود اوروں کے حق میں گرفتار ہے؛ جبکہ شوہر یا محارم رکھتی ہو۔ زنا کی اطلاع شوہر یا اولیائے زن کو پہنچ گئی تو بلاشبہہ ان سے معافی مانگنا ضرور ہے۔ بے اُن کے معاف کئے معاف نہ ہو گا اور اگر اطلاع نہ پہنچی تو اب بھی ان کا حق متعلق ہوا یا نہیں، دربارہ غیبت علماء نے تصریح فرمائی کہ متعلق نہ ہو گا اور اس وقت ان سے معافی مانگنے کی حاجت نہیں؛ صرف توبہ واستغفار کافی ہے۔ "شرح فقہ اکبر" میں ہے: فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوگوں نے غیبت کرنے والوں کی توبہ کے بارے میں اختلاف کیا ہے، کیا جس کی غیبت کی اس سے معاف کرائے بغیر توبہ کرنی جائز ہے یا نہیں؟ بعض نے فرمایا کہ جائز نہیں۔ اور اس کی ہمارے نزدیک دو صورتیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس شخص کی غیبت کی گئی اس کو غیبت کی اطلاع ہو گئی تو پھر توبہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس سے معاف کرائے اور اگر اسے اطلاع نہیں ہوئی تو اس صورت میں صرف اللہ تعالیٰ سے معافی

مانگے اور اپنے دل میں یہ عہد کرے کہ پھر ایسا کبھی نہ کرے گا۔

اور دربارہ زنا اس کی کوئی تصریح نظر سے نہ گزری، ظاہراً یہاں بھی یہی حکم ہونا چاہئے۔ وقد جاء فی الحدیث الغیبة اشد من الزناء۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ غیبت زنا (بدکاری) سے بھی بدتر گناہ ہے۔ مگر ازاں جا کہ اس بارے میں کوئی تصریح نظر سے نہ گزری۔ معافی چاہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس نے معاف کر دیا تو اطمینان کافی ہے مگر طلب معافی میں نہ توصاف تصریح زنا ہو کہ شاید اس کے بعد معافی نہ ہو؛ بلکہ ممکن کہ اس سے فتنہ پیدا ہو اور نہ اتنی ہی اجمالی پر قناعت کی جائے کہ مجھے اپنے سب حق معاف کر دے کہ اس میں عند اللہ اُتنے ہی حقوق معاف ہوں گے جہاں تک اس کا خیال پہنچے لہٰذا تعمیم عام کے الفاظ ہونا چاہئیں جو ہر قسم گناہ کو یقیناً عام بھی ہو جائیں اور وہ تصریح خاص باعث فتنہ بھی نہ ہو، مثلاً چھوٹے سے چھوٹا بڑے سے بڑا جو گناہ ایک مرد دوسرے کا کر سکتا ہے جان مال عزت آبرو ہر شَے کے متعلق اس میں سے جو تیرا میں نے گناہ کیا ہو سب مجھے معاف کر دے۔

بالجملہ امر مشکل جو سچے دل سے مولیٰ عزوجل کی طرف رجوع لاتا ہے اس کا کرم ضرور اسے قبول فرماتا ہے۔ (ص: ۳۷۳تا۳۷۷)

رسول اللہ ﷺ سائل یا نالشی سے جو ان کے پاس حاضر ہوا کس طرح پیش آتے؟

حضور اقدس ﷺ نے کبھی کسی سائل کو جس کا سوال ناحق نہ تھا زجر نہ فرمایا، نالشیوں کی ہمیشہ بات سنی، اور اگر حق پر تھا تو داد رسی وفریاد رسی فرمائی، جس نے توبہ کی توبہ قبول فرمائی، جس نے معافی مانگی اسے معافی دی؛ اگرچہ بعض مصلحت دینیہ سے بدیر مگر حدود اللہ میں کہ بعد وجوب حد اس سے درگزر کا حکم نہیں۔ (ص: ۳۷۷)

رسول اللہ ﷺ کا مہمان رئیس اور غریبوں سے برتاؤ

رسول اللہ ﷺ غریب نوازی ہی کو تشریف لائے ہیں، شبانہ روز سرکار سے غریبوں امیروں سب کی پرورش جاری ہے مگر یہ بھی حکم فرمایا ہے: انزلوا الناس منازلهم۔ لوگوں کو ان کے مراتب ودرجات کے مطابق اتارو (یعنی ان کے مقام کے مطابق ان کی عزت افزائی اور مہمان نوازی کرو) ۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الادب) اور حدیث میں ہے: اذا اتاکم کریم قوم فاکرموه۔ جب کسی قوم کا معزز تمہارے یہاں آئے تو اس کی عزت کرو۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الادب)

ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حضور ایک سائل حاضر ہوا اسے ٹکڑا عطا فرمایا، ایک ذی عزت مسافر گھوڑے پر سوار حاضر ہوا اس کی نسبت فرمایا کہ باعزاز اتار کر کھانا کھلایا جائے، سائل کی حاجت اسی قدر تھی اور کسی رئیس کو ٹکڑا دیا جائے تو باعث اس کی سُبکی اور ذلّت کا ہو؛ لہٰذا فرقِ مراتب ضرور ہے اور اصل مدار نیّت پر ہے؛ اگر سائل کو بوجہ اس کے فقر کے ذلیل سمجھے اور غنی کو بوجہ اس کی دنیا کے عزت دار جانے تو سخت بے جا، سخت شنیع ہے اور اگر ہر ایک کے ساتھ خلقِ حسن منظور ہے تو جتنا جس کے حال کے مناسب ہے اس پر عمل ضرور ہے۔ (ص: ۳۷۷،۳۷۸)

عالم دین اور پیشوائے کا میل جول اور تقاریب میں شرکت

جو عالم دین اور پیشوائے مسلمین ہو اسے برادری سے میل جول اور ان کی جائز تقریبوں میں شرکت اور جائز رسموں میں موافقت اور اپنی تقریبوں میں انہیں شریک کرنا ہرگز نہ ممنوع ہے، نہ اس کو درجہ سے کچھ کم کر دے وہ کہ تمام عالم سے افضل واعلیٰ ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے غلاموں سے ایسے برتاؤ رکھتے۔ ہاں ناجائز تقریبوں میں شریک ہونا، ناجائز رسموں میں ساتھ دینا یہ ضرور ناجائز اور عالم وپیشوا کے لئے سخت تر ناجائز، یہ ضرور درجہ گرا دینے والی چیز ہے اور یہ محض غلط ہے کہ برادری سے میل جول ناجائز باتوں میں شرکت پر بھی مجبور کرے گا؛ کیوں مجبور کرے گا جب یہ عالم ہے اور وہ اسے پیشوا مانتے ہیں صاف کہہ دے کہ فلاں بات ناجائز ہے میں اسے نہیں کر سکتا اور تم بھی نہ کرو۔ (ص: ۳۷۸)

صاحبِ نصاب وقادر علی الاکتساب کو صدقات واجبہ لینا

اگر صاحبِ نصاب وقادر علی الاکتساب ہے تو اسے صدقاتِ واجبہ لینا جائز نہیں۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں: کسی مال دار کسی تندرست اور طاقتور کے لئے صدقہ وخیرات حلال نہیں۔ اور نظر مسبب جل وعلا پر رکھ کر جائز اسباب رزق کا اختیار کرنا ہرگز منافی توکل نہیں، توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ اعتماد علی الاسباب کا ترک ہے۔ حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں: اونٹ کو باندھ کر اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیجئے۔ (ص: ۳۷۹)

* * * * *

سلامِ رضا کے چند اشعار

محمد جلال الدین قادری (کھاریاں، گجرات)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی شاعری حضرت حسان، رومی، جامی، سعدی وغیر ھم (رضوان اللہ علیہم) نعت گو حضرات کے سلسلے کا تسلسل ہے۔ آپ کا نعتیہ کلام اردو، فارسی، عربی اور ہندی زبانوں کے اُدبا اور شعرا کے نزدیک اساتذہ کے کلام کا ہم پلہ ہے۔ عشاق نے اسے حرزِ جان بنالیا ہے اور اسے قرآن و حدیث سے مستنبط جانا۔ حق بات یہ ہے کہ آپ نے نعت گوئی قرآنِ مجید سے سیکھی، اپنے کلام کی اصلاح کسی سے نہ کی، اس طرح کے نعت گو تلمیذ الرحمٰن کہلاتے ہیں۔ یوں تو آپ کا نعتیہ دیوان "حدائقِ بخشش" پورے کا پورا انتخاب ہے مگر اس میں سے سلام بارگاہ مصطفیٰ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ و اکمل التسلیمات کا مقام منفرد ہے۔ یہ سلام نعتیہ شاعری کی معراج ہے۔ جلیل القدر شعرا نے اس پر تضمینیں لکھی ہیں۔ محراب و منبر پر اسے پڑھا جاتا ہے۔ مدرسہ و خانقاہ میں اسے پڑھا جاتا ہے، عرب و عجم میں اسے محبت سے پڑھا جاتا ہے حتّٰی کہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عین مواجہ شریف میں زائرین اسے پڑھتے ہیں۔ مدت سے خواہش تھی کہ اس سلام کی تشریح آسان اُردو میں کر دی جائے۔ ابھی [درج ذیل] چند اشعار کی تشریح لکھ سکا تو معلوم ہوا کہ مقتدر علما اس سلام کی شرح لکھ رہے ہیں۔ فقیر نے مزید شرح لکھنے سے قلم روک دیا۔ (محمد جلال الدین)

تیسرا شعر

مہرِ چرخِ نبوّت پہ روشن درود
گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام

حلِّ لغات

مہر: محبت، (الف: الفت، ولا، مودت، رحم، شفقت، رحمت کا فرشتہ؛ ب: سورج خورشید، آفتاب، نیّرِ اعظم۔ اس مقام پر دوسرے معنیٰ مراد ہیں۔

چرخ: آسمان، چرخی، چکر کھانے والی چیز۔

نبوّت: نون اور با کے ضمہ، واؤ کی تشدید اور فتحہ کے ساتھ نبی کے منصبِ شرعی کو نبوّت کہتے ہیں۔ صرفی علما کے نزدیک لفظ نبی کے تین مادّۂ اشتقاق ہیں۔ اس لیے اس کے لغوی معنوں میں بھی اختلاف ہے۔ مادّۂ اشتقاق یہ ہیں (۱) النباوۃ: (معتل اللام) اس صورت میں اس کا معنیٰ ہے۔ بلندی، ارتفاع، بلند زمین۔ (۲) النباء: (مہموز اللام) اس صورت میں اس کا معنیٰ یہ ہے۔ خبر دینا، ظاہر ہونا۔ (۳) النباۃ: خفی آواز (نبراس، طبع لاہور، ص ۸، خرپوتی، شرح قصیدہ بردہ، شیخ زادہ، طبع کراچی، ص ۴۷)

لغوی طور پر مذکورہ تینوں معانی کا اطلاق درست ہے۔ (۱) نبی "مخبر عن الغیب" ہے۔ اپنے علاوہ دیگر تمام مخلوق سے بلند مرتبہ والا ہے۔ (۲) نبی حقائق کو ظاہر فرماتا ہے (۳) نبی وحی جیسی خفی آواز سنتا ہے۔

المنجد کے اردو ترجمہ (جس کی تصدیق علمائے دیوبند نے کی) میں النبی والنبی کا معنیٰ یوں لکھا ہے: "اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی بنا پر غیب کی باتیں بتانے والا، پیشین گوئی کرنے والا، خدا تعالیٰ کے متعلق خبریں دینے والا"۔

اصطلاحِ شرع میں "نبی" وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا تاکہ وہ وحی الٰہی کی تبلیغ کرے، علمائے اسلام نے نبی کے لیے تین شرائط کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ محدّثِ شہیر مولانا عبد العزیز پرہاروی علیہ الرحمۃ (م ۱۲۳۹ھ) نے انہیں یوں جمع فرمایا ہے: "لا بد فی النبی من ثلثة شروطٍ احد ها الا طلاع علی المغيبات۔۔۔ ثانيها ان يطيعه هيولى العناصر فيتصرف فيها۔۔۔ ثالثها ان يرى القوى المجردة متمثلة ويسمع كلامهم" (نبراس شرح شرح عقائد (ملخصاً) ص ۴۲۹)

نبوت کے لیے علما نے جن تین شرائط کو بیان کیا ہے ان کا خلاصہ یہ ہے: (۱) نبی کو اخبارِ ماضیہ اور مستقبلہ پر اطلاع دی جاتی ہے۔ (۲) تمام عناصر میں نبی کو تصرّف کی قوّت عطا کی جاتی ہے؛ اسی قوت سے ہیولیٰ عالم میں ہر تصرف، جسے وہ چاہتا ہے، کرتا ہے، خارقِ عادت امور پر اسے تصرف کی قدرت عطا کی جاتی ہے۔ (۳) نبی ان قوائے مجردہ اور ارواحِ مقدّسہ (فرشتوں اور دیگر نورانی مخلوق) کو محسوس صورت میں دیکھتا ہے۔ ان سے وہ کلام سنتا ہے، جب کہ دیگر مخلوق ان قوائے مجردہ کو دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ حکما اور صوفیہ کے طور پر یہ شرائط اس لیے ضروری ہیں تاکہ نظام معاد، معاش اور فیوضات کی تکمیل ہو سکے۔ آنکھ کو خس و خاشک اور پسینے

وغیرہ سے محفوظ رکھنے کے لیے پلکیں بنائی گئیں۔ حکمتِ الٰہیہ سے نظامِ کائنات کی بقا کے لیے نبی کو مذکورہ بالا اوصاف بطورِ شرائط عطا ہوتی ہیں۔

مرتبۂ نبوّت کے حصول کے بعد نبی سے نبوت کا زوال ممکن نہیں اور نہ ہی نبی کو مرتبہ سے معزول کیا جاسکتا ہے؛ بلکہ نبی تو مرتبۂ بلوغت سے پہلے اور نزولِ وحی سے پہلے بھی نبی ہوتا ہے۔ اسی طرح بعدِ وصال بھی نبی، نبی ہی رہتا ہے۔ البتّہ اس پر تبلیغ کا فریضہ باقی نہیں رہتا، بعدِ وصال اسے نبی ہی کہیں گے، نبی ہی مانیں گے۔ بعد وصال اس کی نبوت سے انکار اسی طرح کفر ہے جس طرح قبلِ وصال اس کی نبوت کا انکار کفر تھا۔ حضور خاتم المرسلین ﷺ کی بعثت سے قبل جتنے انبیائے کرام دنیا میں تشریف لائے باستثنائے چند سب وصال فرما چکے ہیں، لیکن ان کی نبوت ورسالت کا اقرار ایک مومن کے ایمان کا حصّہ ہے۔

"امنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ"

عارف باللہ حضرت ابوشکور سالمی (معاصر حضرت سلطان الاولیاء سیدنا علی بن عثمان داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے ۴۶۰ھ میں امام ابو بکر محمد بن حمزہ خطیب سمرقندی سے فقہ کا درس لیا) فرماتے ہیں: "النبی کان نبیاً قبل البلوغ وقبل الوحی کما انہ نبیٌ بعد الوحی وبعد البلوغ والدلیل علیہ قولہ تعالیٰ فی قصۃ عیسیٰ علیہ السلام وکان فی المھد صبیاً قال انی عبداللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیاًو جعلنی مبارکاً" (تمہید، طبع لاہور، ۱۳۸۰ھ، ص۶)

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔ "واذکر فی الکتاب ابراھیم انہ کان صدیقاً نبیاً" (مریم،۴۱) اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بے شک وہ صدیق تھا نبی (غیب کی خبریں دیتا)۔ اسی طرح یہی کلمات: "انہ کان صدیقاً نبیاً" قرآنِ مجید میں متعدد مرتبہ سیدنا ادریس علیہ السلام کے لیے استعمال ہوئے۔ (ملاحظہ ہو۔ سورۂ مریم، ۵۶) اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے "وکان رسولاً نبیاً" (مریم۔ ۲۱، ۵۴) اور حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے "اخاہ ھارون نبیاً" (مریم، ۵۳) کئی آیاتِ مقدسہ موجود ہیں جن مین بعد وصال اب بھی انہیں نبی کے مبارک نام ومنصب سے یاد کیا گیا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے اجتماعی ذکر کے موقع پر فرمایا: "اولئك الذین انعم اللہ علیھم من النبیین من ذریۃ آدم و ممن حملنا مع نوحٍ ومن ذریۃ ابراھیم واسرائیل" (مریم،۵۸) اسی نوعیت کا ذکر: (سورہ بقرہ، ۱۳۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۶۱، ۲۱۳، ۷۷۔ مائدہ، ۴۴۔ آلِ عمران، ۸۴، ۳۱۔ بنی اسرائیل، ۵۵۔ زمر، ۲۹۔ نساء، ۲۹، ۱۶۳۔ احزاب، ۷)۔ آیاتِ مقدسہ میں موجود ہے۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ انبیائے کرام کو اعلانِ نبوّت سے پہلے اور بعد وصال مبارک "نبی" کے نام سے یاد کیا گیا ہے، ان کا احترام اور اعتراف عظمت ہر حال میں لازم ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام کا صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے معصوم ہونا ضروری ہے۔ یہ عصمت اعلانِ نبوت سے پہلے بھی موجود رہی۔

شیخ الاسلام حضرت ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قال اھل السنۃ ولجماعۃ ان الانبیاء صلوات اللہ علیھم قبل الوحی کانوا انبیاء معصومین واجب العصمۃ والرسول قبل الوحی کان رسولاً نبیاً ماموناً وکذلك بعد الوفاۃ" (تمہید، طبع لاہور، ۱۳۸۰ھ، ص۶۷) نیز فرماتے ہیں "فعصمۃ الانبیاء انما یثبۃ من طریق الوجوب لا من طریق الجواز" (تمہید، طبع لاہور، ص۶۸) نیز موصوف فرماتے ہیں "فاذا ثبت ان العصمۃ واجبٌ فی حق الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیھم وجب ان یکونوا معصومین عن الصغائر والکبائر" (تمہید،۶۸)

اما الائمّہ، سراج الامّہ، حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بھی پڑھتے چلیے "اماھو ﷺ فکما قال الامام الاعظم ولم یرتکب صغیرۃً ولا کبیرۃً واما قولہ تعالیٰ، عفا اللہ عنك لم اذنت لھم الآیۃ وکذالك قولہ تعالیٰ۔ وماکان لنبیٍ ان یکون لہ اسریٰ الآیۃ فمحمولٌ علی ترك الاولیٰ بالنسبۃ الی مقامہ الاعلیٰ" (شرح فقہ اکبر، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۴۸ھ، ص۷۴)۔ ترجمہ: امام اعظم فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ صغیرہ وکبیرہ، ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ ہیں۔ ارشادِ ربانی: "عفاء اللہ عنك لم اذنت لھم" (سورہ توبہ) اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا اور ارشادِ ربانی: "وماکان النبی ان یکون لہ اسریٰ" (سورۂ انفال) ترجمہ: کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک ان کا خون خوب نہ بہالے۔۔۔ اور اس طرح کی دیگر آیات میں گناہ مراد

نہیں، بلکہ آپ کے مقامِ اعلیٰ کی نسبت سے یہاں ترک اولیٰ مراد ہے۔

خلاصہ عبارات یہ ہے!

۱۔ انبیائے کرام علیہم السلام سب کے سب معصوم ہیں۔
۲۔ ان کی عصمت وجوبی ہے، جوازی نہیں؛ یعنی ان کا گناہوں سے معصوم ہونا لازمی ہے۔
۳۔ نبی ہر صغیرہ گناہ اور ہر کبیرہ گناہ سے معصوم ہوتا ہے۔
۴۔ نبی کی گناہوں سے عصمت اعلانِ نبوّت کے بعد کی طرح قبلِ وحی بھی لازم ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو نبی کا اسوہ واجب التقلید نہ رہے گا۔

حفاظتِ ربانی اور عصمت کے باعث انبیائے کرام علیہم السلام سوءِ خاتمہ کے خوف سے ہمیشہ مامون رہے۔ عظمتِ الٰہی کی معرفت، اس کی قاہر سلطنت، ہیبت اور جلال کے مشاہدے کے باعث انہیں یہ امن عطا ہوا۔ علمائے راسخین فی العلم نے فرمایا: ”فکان معرفة عظمة الله وسلطانه وهيبته و جلاله غالباً عليهم والا نبياء صلوات الله عليهم مامونون عن خوف الخاتمة“ (تمہید، طبع لاہور، ص۸۶) انبیائے عظام ہر لمحہ مشاہدۂ ربانی میں ہوتے ہیں، اسی باعث وہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ خوفِ سوئے خاتمہ سے انہیں امان عطا ہوتی ہے۔ مقامِ نبوّت کے تصوّر کو اجمالی طور پر سمجھنے کے لیے گزشتہ سطور انشاء اللہ مفید ہوں گی۔

آسمانِ نبوّت میں انبیائے کرام علیہم السلام چمکتے چاند ہیں اور ہمارے آقا و مولیٰ حضور سید الانبیاء و نبی المرسلین ﷺ روشن آفتاب ہیں۔ قرآنِ مجید، احادیثِ طیّبہ اور کلامِ ائمۂ دین میں حضور ﷺ کے اَسما میں ”سراج منیر“ بڑی کثرت سے وارد ہوا ہے۔ سورۂ احزاب میں حضور ﷺ کے اوصاف میں فرمایا گیا: ”وسراجاً منيراً“ (الاحزاب، ۴۶) اور چمکا دینے والا آفتاب۔ محدّثِ شہیر قاضی عیاض علیہ الرحمۃ (م ۵۴۴ھ) فرماتے ہیں: ”وقال فيه وسراجا منيرا سمى بذلك لوضوح امره و بيان نبوته وتنوير قلوب المؤمنين والعارفين بما جاء به“ (الشفا، طبع بیروت، ج۱، ص۲۳۷، ۲۳۸) محدث جلیل ملا علی القاری علیہ الرحمۃ الباری اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ”اى فى حق نبيه (وسراجاً منيراً) اى شمساً مضياً القوله تعالیٰ و جعل فيها سراجاً وقمراً منيراً ففيه تنبيه نبيه ان الشمس اعلى الانوار الحسية وان سائرها مستفيض منها فكذلك النبى عليه الصلوة والسلام اعلى الانوار المعنوية واما باقيها مستفيد منه بحكم النسبة فى الدائرة الكلية كما يستفاد من حديث اول ماخلق الله نورى“ (شرح شفا، ج۲، ص۴۱۶، طبع دارالفکر)

حاصل کلام

یہ ہے کہ جس طرح آفتاب فلک کا نور تمام انوارِ حسیہ میں اعلیٰ ہے اور تمام انوارِ حسیہ اسی سے مستفیض ہیں اسی طرح حضور علیہ السلام کا نورِ مقدس تمام انوارِ معنویہ سے افضل واعلیٰ ہے۔ باقی تمام انوار معنویہ (اور حسیہ) آپ کے نورِ اقدس سے فیض پاتے ہیں۔ حدیث ”اول ماخلق الله نورى“ اس مفہوم کو واضح کرتی ہے۔ حضور کے نورِ حقیقت افروز سے تمام چمکنے والوں نے ایسا نور پایا کہ وہ خود آفتاب عالم تاب بن گئے۔ آپ کے نور نبوت نے تمام ضمائر، ابصار، قلوب، ارواح اور اجسام کو منوّر فرمایا۔ اسی مناسبت سے آپ کو آفتاب عالمتاب اور مہرِ نیم روز سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ حضور سید الانبیاء ﷺ کا نور تمام انوارِ حسیہ و معنویہ کا مصدر و منبع ہے۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

یہاں ایک نکتہ واجب الحفظ ہے۔ اس سے غفلت ایمان کو زائل کر دیتی ہے۔ کہ ہر نبی اور ہر رسول جس طرح اپنے وصال سے پہلے نبی اور رسول ہوتا ہے اسی طرح بعدِ وصال بھی ان کو نبوت ورسالت سے معزول نہیں کیا جاتا بلکہ حینِ حیاتِ ظاہری میں نیند کی حالت میں بھی ان کو نبوت ورسالت سے معزول نہیں کیا جاتا (یاد رہے کہ انبیا و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کی نیند صرف آنکھوں کی نیند ہوتی ہے ان کے دل ہمیشہ بیدار رہتے ہیں) حضور پر نور مہرِ چرخِ نبوت ﷺ سے پہلے جتنے انبیا تشریف لائے اور اب ان کا وصال ہو چکا ہے (باستثنائے چند) سب کو بعدِ وصال بھی نبی اور رسول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید نے ان کو نبی ورسول ہی فرمایا۔ اسی طرح حضور سید الانبیاء ﷺ کو وصال کے بعد نبی ہی کہا جاتا ہے، نبی ہی مانا جاتا ہے، ان کی نبوّت پر ایمان لانا اور ان کو نبی تسلیم کرنا ایمان کا لازمی جز ہے۔ کلمۂ طیبہ ”لاالله الا الله محمد رسول الله“ جو حضور کے وصالِ مبارک سے پہلے پڑھا جاتا تھا۔ بعد وصال بھی اسی طرح ”لااله الا الله محمد رسول الله“ پڑھا جاتا ہے۔ اگر حضور علیہ

الصلوۃ والسلام یا کوئی اور نبی بعدِ وصال نبوت کے مرتبہ سے معزول ہو جاتا یا ان سے مرتبۂ نبوت و رسالت سلب کر لیا جانا ممکن ہوتا (العیاذ باللہ) تو اب کلمۂ اسلام یوں ہوتا: "لا الٰہ الا اللہ کان محمد رسول اللہ" یعنی ایک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں؛ محمد اللہ کے رسول تھے۔۔۔ حالانکہ یہ صراحتاً باطل ہے؛ اہلِ اسلام میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

عارف باللہ حضرت ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ثم اجمعنا علی انہ لا یصیر معزولا بالنوم فکذلک بالموت ولان الانبیاء قد وجدوا بعد الوفات لان العلماء خلفا الانبیاء والعلماء کا لانبیاء بعد النبی علیہ الصلوۃ و السلام ولان الایمان بالانبیاء واجب بعد الوفاۃ کما انہ واجب قبل الوفات ثم لو کانت النبوۃ مما تزول بالموت لکان لا یصح الا یمان بقول محمد رسول اللہ ویقتضی ان یقول کان محمد رسول اللہ واجمعنا علی انہ یصح ایمانہ فیصح ماقلنا و کذلک فی الاذان ان نقول اشھد ان محمد رسول اللہ ولان حکم النبوۃ ثابت کحکم الایمان بل اقوی واولی فالموت لا یزول الایمان عنہ ولا یخرج عن کونہ مؤمناً فکذالک النبوۃ واللہ تعالیٰ یقول کل امن باللہ وملائکتہ وکتبہ و رسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ فاللہ تعالیٰ سماھم رسلاً بعد الموت ولا یقع الفرق بین الحی والمیت فی الرسالۃ" (تمہید، طبع لاہور، ۱۹۲۰ھ، ص۷۷) ترجمہ: اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ نیند انبیاء کی نبوت کو معزول نہیں کر سکتی اور اسی طرح یہ بھی اجماعی عقیدہ ہے کہ وصال سے بھی انبیا کی نبوت معزول نہیں ہوتی۔ انبیا علیہم السلام اپنے وصال کے بعد بھی انبیاء ہی ہیں، علما انبیا کے خلیفہ ہوتے ہیں۔۔۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد علما بمنزلہ انبیا کے ہیں۔۔۔ وصال کے بعد انبیا کی نبوّت پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ وصال سے قبل۔۔۔ بالفرض محال اگر وصال انبیاء کی نبوت کو زائل کر دیتا تو کلمۂ طیبہ میں "محمد اللہ کے رسول ہیں" پر ایمان درست نہ رہتا۔ بلکہ کلمہ طیبہ میں یوں کہا جاتا "محمد اللہ کے رسول تھے"۔۔۔ جب کہ اجماع یہ ہے کہ "محمد اللہ کے رسول ہیں" صحیح ہے اس طرح یہ عقیدہ بھی صحیح ہے۔ کہ وصال انبیاء کی نبوت کو زائل نہیں کر سکتا۔۔۔ ایسا ہی اذان میں ہم کہتے ہیں "اشھد ان محمد رسول اللہ" (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں)۔۔۔ حکمِ نبوت انبیا کے بارے میں ثابت ہو چکا، اسی طرح ان پر ایمان لانے کا حکم بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے، بلکہ حکم ایمان تو زیادہ قوی اور اولیٰ طور پر ثابت ہوا، وصال سے ان پر ایمان لانا زائل نہیں ہوتا۔ ارشادِ ربانی ہے "کل امن باللہ وملائکتہ وکتبہ و رسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ" (راسخین فی العلم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم اس کے رسول میں سے کسی میں بھی تفریق نہیں کرتے۔۔۔ یعنی بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کر دیں) اللہ تعالیٰ نے وصال کے بعد انہیں رسول ہی فرمایا۔ موت وحیات میں ان کی رسالت و نبوت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

مقام نبوت کے بارے میں بقیۃ السلف امام ابراہیم بن اسماعیل مستملی بخاری علیہ رحمۃ الباری (متوفی ۴۳۴ھ) کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، یاد رہے کہ امام موصوف، حضور داتا گنج، حضرت عثمان بن علی ہجویری علیہ رحمۃ الباری (۴۶۵ھ) کے ہم عصر ہیں۔ "انبیاء ہمیشہ در مقام مزید باشند و ہر ساعتے لا بل ہر نفسے لا بل ہر لحظے لا بل ہر خطرتے ایشاں را قرب زیادت کرد۔۔۔ (شرح تعرف، مطبوعہ نولکشور، لکھنو، ۱۳۳۰ھ، ج۲، ص۱۸۲) ترجمہ: انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے درجات ہمیشہ بڑھتے رہتے ہیں۔ ہر ساعت میں بلکہ ہر سانس میں بلکہ ہر لحظ میں بلکہ ہر خطرۂ قلب میں قربِ خداوندی میں ان کے مراتبِ عالیہ زیادہ ہوتے ہیں: انبیا کے درجات و مراتب ایک مقام پر رکتے نہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ۔۔۔ کوئی مخلوق۔۔۔ ان کے مقاماتِ رفیعہ کا ادراک کماحقہ کر سکے۔

مذکورہ بالا ضروری تصریحات کو دوبارہ پڑھیے اور ان کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے۔ مصرعۂ اوّل:

"مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود"

کو سمجھنے کی کوشش کیجیے:

مقامِ نبوت:

- ❑ ۔۔۔ جس کے کمالات ہر آن بڑھ رہے ہیں۔
- ❑ ۔۔۔ جس کے کمالات کا احاطہ مخلوق کی قدرت سے ماورا ہے۔
- ❑ ۔۔۔ جس کے مرتبے کو زوال ممکن نہیں۔

- ---جو ہر نقص و عیب سے پاک ہے۔
- ---جس کی عصمت واجب ہے۔
- --- جس کا مرتبہ بلوغت سے قبل بھی ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ بلوغت کے بعد۔
- ---جو وصال اور نیند سے بھی زائل نہیں ہوتا۔
- ---جس کا خاصہ لازمہ ہے کہ وہ تمام مخلوقات کی ہر شے پر اطلاع رکھتا ہے۔
- ---تمام مخلوق اس کی اطاعت کرتی ہے۔
- ---جس کا جسم روح سے بھی لطیف تر ہوتا ہے۔

اور دوسرے تمام ضروری خواص کی حامل ذات قدسی صفات حضورِ اکرم ﷺ آسمانِ نبوّت کے درخشاں چاند پر نوری درود ہو۔ آسمان اور چاند کی نسبت سے درود شریف کی صفت "روشن" کا ذکر لطف سے خالی نہیں۔

"گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام"

گل: پھول

رسالت: نبی کا منصب تبلیغ

یہ مسئلہ علما میں معرکۃ الآرا ہے کہ نبوت اور رسالت میں کون سی نسبت ہے؟ مشہور یہ ہے کہ نبی وہ ہے جس کی طرف وحی کی گئی ہو اور رسول وہ ہے جس کی طرف وحی کی گئی ہو اور اسے تبلیغ کا کام بھی تفویض کیا گیا ہو، اس طرح ہر رسول نبی ہے؛ لیکن اس کا عکس درست نہ ہوگا۔

ملّا علی قاری مکی (المتوفّٰی ۱۰۱۴ھ) علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں:

"الاشہر فی الفرق بینہما من المنقول بان النبی اعم من الرسول اذ الرسول من امر بالتبلیغ والنبی من اوحی الیہ اعم من ان یؤمر بالتبلیغ ام لا--- والا ظہر انہما متغائر ان لقولہ تعالیٰ وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الآیۃ ولبعض الاحادیث الواردۃ فی عدد الانبیاء والرسل علیہم السلام۔ (ملخصًا)" (شرح فقہ اکبر، طبع مجتبائی، دہلی، ص۷۲، ۷۳) ترجمہ: حضور سید المرسلین ﷺ نبی بھی ہیں اور رسول بھی بلکہ مخلوقات میں جتنے اوصافِ حمیدہ و کمالاتِ جلیلہ ممکن ہیں آپ ان سب کے جامع ہیں--- بلکہ مخلوقات کے اوصافِ حمیدہ آپ کے کمالاتِ جلیلہ کا پرتوِ حسین ہیں۔ آپ کی ذات میں وہ کمالاتِ علیہ جمع ہیں جن میں مخلوق کا کوئی حصّہ نہیں۔

شیخ محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی (المتوفّٰی ۱۰۵۳ھ) علیہ رحمۃ الحق فرماتے ہیں: "وحد و ضابط در وصف وے ﷺ آنست کہ ہرچہ جز مرتبہ الوہیت است از فضل و کمال ہمہ او را ثابت است و ہیچ کس کامل تر از وے و مساوی باو نیست" (مدارج النبّوت، ج۱)

مخواں او را خدا از بہر امر شرع و حفظ دیں
دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش انشا کن

ترجمہ: امرِ شرع اور دین کی حفاظت یہ ہے۔ حضور اکمل الاولین والآخرین کو خدا نہ کہو اور نہ آپ میں خدائی صفات جیسی صفات ثابت کرو۔ اس کے علاوہ جو اوصاف مخلوق میں ممکن ہیں سب ہی حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ شریفہ کے لیے ثابت کرو اور ان سب کے ساتھ آپ کی تعریف کرو۔

سلام کے مصرعۂ اولیٰ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے وصفِ نبوّت کا ذکر ہوا اور مصرعۂ ثانیہ میں وصفِ رسالت کا یہ امر عینِ حقیقت ہے۔ عالمِ وجود اور عالمِ شہود میں ایسا ہی واقع ہے۔ علامہ نور الدین علی بن سلطان محمد القاری الہروی المکی علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں: "ثم فی تقدیم النبوۃ علی الرسالۃ اشعار بما ہو مطابق فی الوجود من عالم الشہود و ایما بماہو الاشہر" (شرح فقہ اکبر، طبع مجتبائی، دہلی، ص۷۲) عالمِ وجود میں عام طور مشاہدہ ایسا ہی ہے کہ نبوّت کو رسالت سے مقدم سمجھا گیا ہے اور غالباً مشہور بھی اسی طرح ہے۔ اسی طرح اغلب اور اشہر کی رعایت کرتے ہوئے مصرعۂ اولیٰ میں نبوّت کا ذکر ہے اور مصرعۂ ثانیہ میں رسالت کا ذکر فرمایا۔

یاد رہے کہ حضور کو خورشیدِ عالم اور آفتابِ عالمتاب کہنا ایجاد بندہ نہیں، بلکہ یہ وصفِ کمال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ثابت ہے۔ علامہ عمر بن احمد خرپوتی شارح قصیدہ بردہ فرماتے ہیں:

"اعلم ان القسطلانی عد الشمس فی المواہب اللدنیۃ من اسمائہ علیہ الصلوٰۃ والسلام حدیث قال و اما الشمس فسمی بہا ﷺ لکثرۃ نفعہ وعلو رفعتہ وظہور شریعتہ وجلالۃ قدرہ وعظم منزلتہ لانہ لایحاط بکمالہ حتی لایسع الرائی ان ینظر الیہ ملء عینہ اجلالا لہ کما ان الشمس فی الرتبۃ ارفع من انواع

الکواکب لا نهافی السماء الرابعة والا تتفاع بها اکثر من غیر هاکما لا یخفی وایضا لما کان سائر الکواکب یستمد من نور ها ناسب تسمته صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بها لان نور الا بنیاء استمد من نوره علیه السلام" (عصیدۃ الشھدۃ شرح قصیدۃ البردۃ، طبع کراچی، ص۱۰۱)

علامہ قسطلانی شارح بخاری نے "آفتابِ عالمتاب، خورشیدِ تابان، مہرِ منیر اور چمکتا ہوا سورج" کو حضور علیہ السلام کے اسماءِ شریفہ میں شمار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ کا نامِ نامی مہرِ منیر اور آفتابِ عالمتاب اس لیے رکھا گیا ہے کہ آپ کی ذات بابرکات سے کثیر نفع ملتا ہے آپ کی رفعت شان آپ کی شریعتِ مطہرہ کے ظہورِ تام آپ کی جلالتِ قدر اور عظیم منزلت کے باعث آپ کا نام مہرِ نیم روز ہے اور اس لیے بھی کہ آپ کے کمالات کا کوئی بھی احاطہ نہ کر سکا۔ آپ کی جلالتِ قدر اور رفعتِ شان کی وجہ سے کوئی بھی آپ کو آنکھ بھر کر نہ دیکھ سکا۔ جیسا آسمانی سورج دیگر ستاروں کی نسبت ارفع ہے اور اس سے دیگر ستاروں کی نسبت زیادہ نفع اٹھایا جاتا ہے۔ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دیگر تمام ستارے سورج ہی سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح تمام انبیائے کرام بھی حضورِ انور نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سے نور حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے آپ کا نامِ نامی خورشیدِ تاباں مہرِ منیر آفتابِ عالمتاب رکھنا زیادہ مناسب ہے۔

درج بالا اقتباس میں علامہ قسطلانی اور علامہ عمر خرپوتی علیہما الرحمۃ والرضوان نے حضور کے نام مہرِ نیم روز کی مناسب نہایت احسن انداز میں بیان فرمائی۔

شیخ المشائخ علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ المعروف بہ شیخ زادہ نے حضور کے نام نامی مہرِ تاباں، مہرِ چرخِ نبوّت کی ایک اور احسن توجیہ فرمائی ہے۔ شرح قصیدہ بردہ میں لکھتے ہیں: "فالمعنی ان سیدنا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شمس من فضل اللہ تعالیٰ طلعت علی العالمین والانبیاء اقمارها یظهرن الاقمار الانوار المستفادہ منها فی عالم الشهادة عند غیبتها عنها ویخفین عند ظهور سلطان الشمس فینسخ دینه ادیانها صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب الملة ومشیدار کانها" (شرح قصیدہ بردہ، طبع کراچی۔ ص۱۰۲، ۱۰۳) ترجمہ: ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے فضل کا مہرِ تاباں ہیں، یہ روشن سورج تمام مخلوقات پر طلوع ہوا۔ دیگر تمام انبیا اس سورج کے گرد بمنزلہ چاند کے ہیں، حضور کی غیبوبت کے زمانے میں یہ چاند چمکے اور جب سلطان شمس کا ظہور ہوا۔ یہ چاند چھپ گئے۔ گویا حضور کے دین نے تمام ادیانِ سابقہ کو منسوخ کر دیا۔

انہی حقائق کو علامہ نور الدین علی بن سلطان محمد القاری الہروی علیہ رحمۃ الباری نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے، ان کی طویل عبارت کا آخری حصہ یہ ہے: "وفیه اشارة الی نسخ شریعت نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من قبله من الانبیاء وایماء الی ان یومه لیس بعده لیل و دنیه لا یعقبه زوال وفناء" (الزبدۃ العمدۃ فی شرح البردۃ، طبع درگاہ شریف، پیر جو گوٹھ (سندھ)، بارِ اوّل، ۱۴۰۶ھ، ص۶۵)

کل آیٍ اتی الرسل الکرام بها
فانما اتصلت من نوره بهم
فانه شمس فضلٍ هم کواکبها
یظهرن انوارها للناس فی الظلم

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی
چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے
پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سلام کے اس شعر کے مصرعۂ ثانیہ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو "گلِ باغِ رسالت" کہا گیا ہے؛ یہ تشبیہ بھی کلامِ اسلاف میں کثرت سے موجود ہے۔ علامہ شرف الدین بوصیری (المتوفی ۶۹۴ھ) فرماتے ہیں:

کالزهر فی ترف والبدر فی شرف
والبحر فی کرم والدهر فی همم

چوں شگوفہ در طراوت ہمچو دریا در کرم
در شرف چوں ماہ کامل چوں زمانہ در ہمم

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تازگی میں شگوفہ، بزرگی میں چودھویں رات کے چاند، بخشش میں دریا اور ہمت میں زمانہ ہیں۔

* * * * *

ماہرِ رضویات فی الھند ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

برِّصغیر پاک وہند میں اقبالیات کے وزن پر رضویات (تعلیمات امام احمد رضا) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی شاعری اتنی زیادہ معنیٰ خیز سمجھی جاتی ہے کہ اس شاعری میں علمی خزانے کو تلاش کرنے کے لیے متعدد محققین سو برس سے تحقیق اور جستجو میں لگے ہوئے ہیں اور ڈاکٹر محمد اقبال کی فکر کو عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبال کی شاعری اور فکر کو مزید وسعت دینے کے لیے جامعہ پنجاب میں باقاعدہ ایک علمی شعبہ "اقبالیات" کے نام سے معرضِ وجود میں آیا اور اب تک متعدد افراد ڈاکٹر اقبال کی شاعری کی مختلف جہتوں پر کام کرتے ہوئے پی ایچ ڈی اور ایم فل کی اسناد حاصل کر چکے ہیں اور مستقبل میں مزید لوگ ڈاکٹر اقبال کی شاعری کی مزید نئی جہتوں کو تلاش کرکے اعلیٰ سند حاصل کرتے رہیں گے تاکہ یہ شعبۂ اقبالیات دیر تک قائم رہ سکے۔

برِّصغیر پاک وہند میں ڈاکٹر اقبال جیسی کئی شخصیات ایسی ہیں جن کے علمی خزانے آج بھی اس بات کے منتظر ہیں کہ ان شخصیات کے علمی کاموں پر مختلف جہتوں سے ریسرچ کی جائے اور ان کی علمی کاوشوں سے قوم کو آگاہی دی جائے اور اس علمی کام سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچایا جائے۔ یہ علمی شخصیات ایک طرف عہد ساز شخصیات ہیں اور دوسری طرف ان کے علمی ذخیرے لاکھوں لوگوں کی رہنمائی کے لیے انمول خزانے ہیں۔ ان شخصیات میں چند نام بہت بڑے ہیں، مثلاً حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی المعروف بہ حضرت مجدّد الفِ ثانی (المتوفّٰی 1034ھ/1624ء) کی شخصیت اور ان کے خطوط کا مجموعہ "مکتوباتِ امامِ ربانی" وہ عظیم علمی ذخیرہ ہے کہ ان مکتوبات کا جتنی بھی جہتوں سے مطالعہ کیا جائے ہر جہت سے ایک نیا فن پارہ وجود میں آتا ہے؛ چنانچہ اب تک ہزاروں مقالات اس ایک تصنیف کے حوالے سے وجود میں آچکے ہیں۔ متعدد حضرات ایم فل اور پی ایچ ڈی مقالات تحریر کر چکے ہیں، اس کے علاوہ سب سے بڑا علمی کارنامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی تالیف "جہانِ امام ربانی" کے نام سے جو ۱۴ جلدوں پر مشتمل ہے؛ مگر ابھی اس خزانے میں بہت سے موتی پوشیدہ ہیں جن کو کوئی غوطہ زن ہی نکال سکتا ہے۔ لہٰذا جامعات کو چاہیے کہ اس اہم تصنیف کے عنوان سے بھی ایک ریسرچ شعبہ قائم کریں۔ اسی طرح برصغیر پاک وہند میں خاندانِ ولی اللہ کی خدمات کسی سے پوشیدہ نہیں؛ اس خاندان نے چار، پانچ نسلوں تک مسلسل دین کی خدمت کی ہے اور لوگوں کی مکمل رہنمائی کی ہے، مثلاً شاہ عبدالرحیم دہلوی، شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نام ان کی قلمی خدمات کے باعث سنہری حرفوں سے لکھنے کے لائق ہیں۔ لہٰذا پاک وہند کی جامعات کو اس خاندان کی قلمی میراث کو آگے بڑھانے کے لیے بھی ایک شعبہ قائم کرنا چاہیے۔

برِّصغیر پاک وہند میں ایک انتہائی عظیم عہد ساز شخصیت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی ہیں، جن کا علمی قلمی کام اس قدر وسیع ہے کہ ان کے کام کو سمیٹنے کے لیے ایک دو شعبے نہیں، بلکہ ایک کلیہ (فیکلٹی) ہی نہیں بلکہ پوری ایک جامعہ درکار ہے۔ وہ اس لیے کہ ایک جامعہ میں کم از کم چند شعبے ضرور ہوتے ہیں اور بڑی جامعات میں ان شعبوں کی تعداد ۵۰ سے زیادہ تجاوز کرتی ہے اور اس سے بڑی جامعات میں شعبوں کی تعداد ۱۰۰ اور اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

امام احمد رضا نے صرف چند عنوانات پر قلم نہیں اٹھایا بلکہ اپنے عہد کے تمام مروجہ شعبہ جات کے حوالے سے کم از کم چند تصانیف ضرور لکھی ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز کرتی ہے۔ ان ایک ہزار کتب میں عنوانات کی تعداد موجودہ دور کے شعبہ جات کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو ایک سو سے زیادہ ہے۔ اس لیے اگر مسلمان اس علمی شخصیت کو صرف علمی نگاہ سے دیکھیں اور کوئی تعصّب نہ رکھیں تو یہ عالم اسلام کی اتنی بڑی علمی شخصیت ہے کہ شاید ہی برصغیر میں ان جیسی کوئی دوسری علمی

شخصیت ہو، اس لیے اس شخصیت کے علمی کام کو عام انسانوں تک اسی وقت پہنچایا جاسکتا ہے جب اس شخصیت کے اس علمی کام کو ہر شعبہ کے اعتبار سے ریسرچ کرواکر اس کو عام لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ خاص کر امام احمد رضا نے جو کچھ علومِ عقلیہ کے حوالے سے مختلف سائنسی علوم وفنون پر جو شہ پارے یاد گار چھوڑے ہیں ان کو زیورِ طبع کے بعد دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ عام مسلمان اس عظیم سائنسداں کی علمی کاوشوں اور فکر سے آگاہی حاصل کرسکیں۔

ابھی تک سرکاری کیا نیم سرکاری سطح پر بھی امام احمد رضا کی علمی شاہکاروں کو متعارف نہیں کرایا جاسکا اور نہ ہی کسی بھی جامعہ میں کوئی ریسرچ شعبہ آپ کے نام کے حوالے سے قائم کیا گیا البتہ امام احمد رضا کے مختلف علمی گوشوں کو تحقیقی انداز سے مقالات اور تصانیف کی شکل میں شائع کرکے عوام الناس تک پہنچانے میں کئی محققین کا نام ماہرِ رضویات کے طور سے لیا جاسکتا جنھوں نے پچھلی نصف صدی میں امام احمد رضا خاں قادری بریلوی کے علمی اور فکری نظریات کو عام لوگوں تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

مثلاً علامہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری، حضرت علامہ شمس الحسن شمس بریلوی، حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری، حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی، حضرت علامہ سید ریاست علی قادری، حضرت علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، حضرت مولانا عبدالمنان اعظمی، حضرت مولانا محمد احمد مصباحی، حضرت علامہ مولانا عبدالمبین نعمانی، حضرت علامہ ڈاکٹر حسن رضا اعظمی، حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی، علامہ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، حضرت علامہ مولانا عبدالمنان چاٹگامی، حضرت علامہ سید وجاہت رسول قادری، حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں الازہری وغیرہ وغیرہ؛ مگر دو نام جنھوں نے اپنی تحریر سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیا اور تحقیق کا حق ادا کیا اور امام احمد رضا کی مختلف علمی جہتوں سے لوگوں کو متعارف کرایا اور ان کی تحریر میں خود ایک اکیڈمی کا درجہ اختیار کر گئیں وہ دو نام ہیں: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی دہلوی (المتوفّٰی ۲۰۰۸ء) اور ڈاکٹر محمد عبدالنعیم عزیزی بلراپوری ثم بریلوی (المتوفّٰی ۲۰۱۱ء)۔

دنیائے علم و دانش نے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کو ان کی ۳۵ سالہ تحقیقی خدمات پر "ماہرِ رضویات" کا خطاب دیا اور ان کے بعد ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب کو "ماہرِ رضویات فی الہند" کے لقب سے نوازا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی رضویات پر خدمات کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ جن میں آپ کی قلمی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے:

۱۔ تذکارِ مسعودِ ملّت، محمد عبدالستّار طاہر، رضا دارالاشاعت، لاہور۔
۲۔ حضرت مسعودِ ملت اور رضویات، محمد عبدالستار طاہر، رضا اکیڈمی، لاہور۔
۳۔ تخصصات حضرت مسعودِ ملت، محمد عبدالستار طاہر، ادارۂ مظہر اسلام، لاہور۔
۴۔ مکتوباتِ مسعودیہ، محمد عبدالستار طاہر، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا۔
۵۔ منزل بہ منزل، محمد عبدالستار طاہر، انٹرنیشنل پبلی کیشنز، حیدرآباد
۶۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، حیات، علمی اور ادبی خدمات (پی ایچ ڈی مقالہ)، ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی، ضیاء الاسلام پبلی کیشنز، کراچی۔
۷۔ مسعودِ ملت اور امام احمد رضا، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ادارۂ مسعودیہ، کراچی۔
۸۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور نثرِ اردو، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ادارۂ مسعودیہ، کراچی۔
۹۔ جواہرِ مسعودیہ، پروفیسر حافظ سید مقصود علی، ادارۂ مسعودیہ، کراچی۔
۱۰۔ دو مجدّد اور مسعودِ ملت، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی تحریر کا مرکز ۹۰ فیصد امام احمد رضا قادری محدثِ بریلوی کی علمی خدمات ہیں۔ ڈاکٹر عزیزی صاحب جو ایک ادبی شخصیت کے مالک ہیں؛ مگر انھوں نے چونکہ بی ایس سی آنرز بھی کیا ہوا ہے اس لیے سائنسی علوم سے بالخصوص فزکس اور میتھ کے علوم سے خاص دلچسپی بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ امام احمد رضا کی علومِ عقلیہ پر جو تصانیف ہیں اور خصوصیت کے ساتھ جو فزکس اور حساب سے متعلق ہیں ان پر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے کئی مقالات تحریر کیے ہیں جن میں امام احمد رضا کے ان علوم کی نہ صرف پزیرائی کی ہے بلکہ یہ ثابت کیا ہے کہ ہمارے یہ امام نہ صرف علوم اسلامیہ کے علوم کے امامِ وقت ہیں بلکہ علوم عقلیہ کے علوم کے بھی مسلمان سائنسدان کی حیثیت سے امام الوقت ہیں۔ امام احمد رضا کی معرکتہ الآرا تصنیف "فوزِ مبین در ردِّ حرکتِ زمین" کو انھوں نے ایڈٹ کرکے اس کو

فرہنگ کے ساتھ شائع کرکے ایک اہم خدمت انجام دی اور اس کے علاوہ کئی مقالات سائنسی علوم کے حوالے سے قلمبند کیے ہیں جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

علومِ عقلیہ کے حوالے سے لکھے گئے امام احمد رضا کی تصانیف کی روشنی میں جو مقالات ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے تحریر کیے اور مختلف جرائد میں شائع ہوئے اس کی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

۱۔ کلامِ رضا اور علومِ ریاضی، سالنامہ معارفِ رضا، ۱۹۹۲ء۔
۲۔ امام احمد رضا اور تصنیف فوز مبین، سالنامہ معارفِ رضا، ۱۹۹۷ء۔
۳۔ امام احمد رضا اور بینکنگ کا نظریہ، ماہنامہ معارفِ رضا، شمارہ فروری ۲۰۰۱ء
۴۔ ملفوظاتِ رضا اور مابعد الطبعیات نظریات، شمارہ ۲۸، ۲۰۰۸ء۔

معارفِ رضا کے علاوہ دیگر رسائل میں شائع ہونے والے مقالات اور تصانیف بھی ملاحظہ کیجیے:

۱۔ امام احمد رضا اور الجبرا، مع انگریزی ترجمہ:

The Algebraic work of Imam Ahmed Raza.

۲۔ امام احمد رضا اور ٹاپولوجی۔
۳۔ امام احمد رضا اور صوت وصدا۔
۴۔ امام احمد رضا اور علم طبعیات۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے امام احمد رضا کی شخصیت اور ادبی خدمات میں جو مقالات تحریر کیے ان کی تفصیل ملاحظہ کریں:

۱۔ کلامِ رضا میں محاکات پیکر تراشی، سالنامہ معارفِ رضا، ۱۹۸۸ء۔
۲۔ کلامِ رضا اور ضلع جگت، معارفِ رضا سالنامہ، شمارہ 12، 1992ء۔
۳۔ امام احمد رضا اور علامہ ہدایت رسول، معارفِ رضا، ۱۹۹۴ء۔
۴۔ اعلیٰ حضرت بحیثیت ناقد وشارح، معارفِ رضا سالنامہ، ۱۹۹۹ء۔
۵۔ مولانا احمد رضا کے تخلیقی رویے اور محرکاتِ شاعری، سالنامہ معارفِ رضا، شمارہ ۲۶، ۲۰۰۶ء۔
۶۔ رباعیاتِ رضا، معارفِ رضا سالنامہ، شمارہ ۲۵، ۲۰۰۵ء۔
۷۔ فروغِ رضویات اور طبقۂ خواتین، سالنامہ معارفِ رضا، ۲۰۰۷ء۔
۸۔ کنزالایمان کا ادبی ولسانی جائزہ، سالنامہ معارفِ رضا، ۲۰۰۹ء۔
۹۔ امام احمد رضا اور ڈاکٹر اقبال، ماہنامہ معارفِ رضا، شمارہ نومبر ۲۰۰۲ء
۱۰۔ فتاویٰ رضویہ کا نثری اسلوب، معارفِ رضا، شمارہ نومبر ۲۰۰۵ء۔
۱۱۔ کنزالایمان میں محاورات کی بہار، معارفِ رضا، شمارہ جون ۲۰۰۶ء۔

معارفِ رضا کے علاوہ دیگر رسائل وجرائد میں شائع ہونے والے مقالات اور تصانیف:

۱۔ اعلیٰ حضرت۔
۲۔ اعلیٰ حضرت اعلیٰ حضرت کیوں؟۔
۳۔ امام احمد رضا کے القاب وآداب۔
۴۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت۔
۵۔ امام احمد رضا غیر مسلموں کی نظر میں۔
۶۔ امام احمد رضا اور چشتی مجدّدِ دینِ اسلام۔
۷۔ امام احمد رضا ساداتِ کرام کی نظر میں۔
۸۔ کلامِ رضا کے نئے تنقیدی زاویئے۔
۹۔ شرح قصیدۂ رضا۔
۱۰۔ امام احمد رضا اور محسن وامیر۔
۱۱۔ اقبال مسلکِ رضا کے آئینے میں۔
۱۲۔ بلبلِ بستان رضویت۔
۱۳۔ کلامِ رضا میں محاورات اور ضرب الامثال۔
۱۴۔ طنزیاتِ رضا۔
۱۵۔ امام احمد رضا کی منقبت نگاری۔
۱۶۔ امام احمد رضا اور مسعودِ ملت
۱۷۔ رضا گائیڈ بک (برائے طلبہ روہیل، کھنڈ یونیورسٹی)

خاندانِ امام احمد رضا کی خدمات کا بھی آپ نے گاہے بہ گاہے جائزہ لیا اور کئی شخصیات کے حوالے سے چند اہم مقالات تحریر فرمائے ملاحظہ کیجیے:

۱۔ مفتیٔ اعظم ہند (امام احمد رضا کے چھوٹے صاحبزادے)
۲۔ حجۃ الاسلام (امام احمد رضا کے بڑے صاحبزادے)
۳۔ مفسرِ اعظم مولانا ابراہیم رضا خاں (امام احمد رضا کے پوتے)
۴۔ ریحان ملت اور ابر بخشش (امام احمد رضا کے پرپوتے)
۵۔ منظر اسلام مرکزِ اہلِ سنّت (امام احمد رضا کا قائم کردہ دارالعلوم)
۶۔ منظر اسلام اور سنی تحریکات
۷۔ مفتیٔ اعظم بحیثیتِ نقاد وشارح، ماہنامہ معارفِ رضا، جنوری ۲۰۰۶
۸۔ شانِ بریلی علامہ تحسین رضا خاں (امام احمد رضا کے منجھلے بھائی

مولانا حسن رضا کے پوتے)
۹۔ مفتیِ اعظم ہند مجدد کیوں؟
۱۰۔ ہمارے مفتیِ اعظم
۱۱۔ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی صاحب نے امام احمد رضا کے کئی رسائل انگریزی زبان میں منتقل کیے۔ ان میں سے جو شائع ہو چکے ہیں ان کی فہرست ملاحظہ کیجیے:

۱۔ اسماع الاربعین 40 Ahadith of Intercession
۲۔ فوائدِ صدقات Importance of Muslim Charity
۳۔ دعوتِ میت Funeral Feast
۴۔ المیلاد النبویہ Al-Milad-un-Nabawiyah
۵۔ غایتہ التحقیق The Caliphate of Hazrat Abu bakar And Hazrat Ali
۶۔ صلاۃ الصفا The Prophet's Noor
۷۔ قمر التمام فی نفی الفیئ عن سید الانام Did the Prophet has Shadow
۸۔ الفرق الوجیز Basic Islamic Faith
۹۔ الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی Qadiyani are Kaafir

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی صاحب نے ہندی زبان میں بھی امام احمد رضا کے حوالے سے چند مقالات تحریر فرمائے ہیں جو ہند کے مختلف جرائد میں کئی دفع شائع ہو چکے ہیں اور الگ کتابی صورت میں بھی شائع کیے گئے ہیں۔

۱۔ عظیم البرکت فاضلِ بریلوی۔
۲۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت۔
۳۔ امام احمد رضا غیر مسلموں کی نظر میں۔
۴۔ مفتیِ اعظم۔
۵۔ انوارِ مفتیِ اعظم۔
۶۔ امام احمد رضا کے رسالے "السوء العقاب علی المسیح الکذاب" کا ہندی ترجمہ

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی کا سب سے اہم کام امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جو انھوں نے روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی میں پیش کر کے ۱۹۹۴ء میں اعلیٰ سند حاصل کی۔ آپ نے یہ مقالہ پروفیسر ڈاکٹر زاہد حسن وسیم بریلوی کی نگرانی میں لکھا تھا۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا نے ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی بریلوی کی اس علمی خدمت کو سراہتے ہوئے اپنی ۱۷ ویں امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۷ء میں امام احمد رضا گولڈ میڈل ریسرچ ایوارڈ پیش کیا تھا۔ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی نے اپنے اس مقالے کو مزید بہتر بنا کر اور اپنی یونیورسٹی سے اجازت لے کر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹر نیشنل کراچی کو شائع کرنے کے لیے پیش کیا۔ ادارے نے اس پی ایچ ڈی کے مقالے کو ۲۰۰۸ء میں شائع کیا۔ اس سے قبل ادارے نے احقر کے پی ایچ ڈی کے مقالے "کنز الایمان اور دیگر معروف اردو تراجمِ قرآن" کو بھی شائع کیا تھا؛ جب کہ ادارے کی جانب سے دو ایم فل کے مقالے عربی زبان میں بھی شائع کیے جا چکے ہیں۔

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے "اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی" کی اشاعت کے وقت برّ صغیر پاک و ہند کے ممتاز اہلِ قلم سے تقاریظ بھی حاصل کی تھیں جو اس مقالے کے اندر شائع کی گئی ہیں۔ ان تقاریظ میں سے چند کے مختصر اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے صدر نشیں محترم المقام جناب سید وجاہت رسول قادری لکھتے ہیں: "اردو نعت اور فاضل بریلوی پر پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی صاحب نے ایک عظیم علمی اور ادبی خدمت انجام دی ہے جس پر وہ ہم سب کے بالخصوص خواجہ تاشانِ رضویت کی طرف سے مبارک باد اور ستائش کے مستحق ہیں۔" (اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ڈاکٹر عزیزی، ص ۹)
اس سے قبل سید وجاہت رسول قادری صاحب آپ کو "ماہر رضویات فی الہند" قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: "رضویات کے موضوعات سے ان کی لگن اور دلچسپی کے باعث اہلِ علم انہیں "ماہرِ رضویات فی الہند" کے نام سے یاد کرنے لگے ہیں۔ یہ مستند طور پر شنیدہ ہے کہ بریلی شہر میں ان کی ذاتی لائبریری رضویات پر تحقیقی کام کے حوالے سے ہندوستان کی نجی لائبریریوں میں سب سے بڑی لائبریری کا درجہ رکھتی ہے۔ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی صاحب کا قابلِ ستائش بلکہ قابلِ تقلید وصف یہ بھی ہے کہ وہ ہندوستان میں اعلیٰ حضرت کے حوالے سے ایم فل / پی ایچ ڈی کرنے والے ریسرچ اسکالرز کی رہنمائی کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے ہیں (تھے)۔" (اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص ۸)

ہندوستان کے ممتاز محقق اور نقاد پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی کے پی ایچ ڈی مقالے کو سراہتے ہوئے

رقمطراز ہیں:"میں اتنا کہنے اور لکھنے میں حق بجانب ہوں کہ بیسویں صدی کے ہندوستان میں جس طرح عصری جامعات میں ریسرچ و تحقیق مختلف زاویوں سے مولانا احمد رضا خاں کی عبقری شخصیت پر ہوئی ہے، ہندوستان کے کسی دوسرے عالمِ دین پر نہیں ہوئی۔ اسی سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی تحقیقی کاوش ہے، جسے انھوں نے اردو دنیا کے مشہور ادیب و شاعر پروفیسر وسیم بریلوی کی نگرانی میں "اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی" کے عنوان سے جمع کر کے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی۔(اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص۲۵)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب کی ایک اور اہم خدمت بریلی شریف کی خانقاہ سے جاری ہونے والے ماہ نامہ سنی دنیا کا رسالہ ہے جو غالباً دسمبر ۱۹۸۲ء میں شروع ہوا۔ وہ ۱۹۸۲ء میں اس کے اوّل ایڈیٹر ہوئے اور ان کی ادارت کا یہ سلسلہ ۱۹۹۲ء تک جاری رہا۔ اس دوران انھوں نے ہر ماہ نامہ میں "بابِ سخن" کے عنوان سے اداریہ لکھا، جس میں امام احمد رضا کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے ہر دور کے حالات کے پیش نظر اداریے لکھے اور اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو یہ ایک مکمل کتاب بن سکتی ہے، جس میں مختلف عنوانات پر امام احمد رضا کے نظریات کو پیش کیا گیا ہے۔ ماہ نامہ سنی دنیا بریلی شریف سے مفتیِ اعظم ہند حضرت مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی بریلوی المتوفّٰی ۱۹۸۲ء کے وصال کے بعد ان کے جانشین حضرت علامہ مولانا مفتی اختر رضا خاں الازہری قادری بریلوی مدظلہ العالی نے ان کی یاد میں اپنی خانقاہ سے جاری کیا اور ادارت کی ذمّے داری اپنے خاص معتمد عبدالنعیم عزیزی صاحب کو سونپی جنھوں نے اپنی ادارت میں اس کو ۱۰ سال تک جاری رکھا اور یہ رسالہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی پہچان بن گیا۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کو برِّ صغیر پاک و ہند کے مختلف اداروں نے ان کی قلمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو گولڈ میڈل اور یادگار شیلڈ پیش کی جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ پاکستان نعت اکیڈمی جس کے بانی علی حسین ادیب رائے پوری (المتوفی ۲۰۰۵ء) تھے۔ انھوں نے کراچی میں ۱۹۹۱ء میں برِّ صغیر پاک وہند کے متعدد اردو ادب کے قلمکاروں کو ان کی خدمات کے اعتراف میں نعت ایوارڈ دیے؛ چنانچہ عبدالنعیم عزیزی صاحب کو بھی نعت ایوارڈ سے نوازا گیا۔

۲۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، پچھلے دو دہایوں سے امام احمد رضا پر پی ایچ ڈی حاصل کرنے والوں کو امام احمد رضا گولڈ میڈل پیش کر رہا ہے، چنانچہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کو بھی ان کی پی ایچ ڈی کی سند تفویض ہونے کے بعد ۱۹۹۷ء کی سالانہ امام احمد رضا کانفرنس کے موقع پر ان کو امام احمد رضا ریسرچ گولڈ میڈل پیش کیا گیا۔

۳۔ اسی دوران المصطفیٰ ویلفئر سوسائٹی جس کے بانی حاجی محمد حنیف طیب صاحب ہیں انہوں نے بھی ان کے ا 1997ء کے دورے کے موقع پر عبدالنعیم عزیزی صاحب کو نہ صرف استقبالیہ پیش کیا بلکہ ان کو سندِ اعتراف بھی پیش کی۔

۴۔ مرکزی خانقاہِ رضویہ بریلی شریف کے موجودہ سجادہ نشین حضرت علامہ مولانا مفتی سبحان رضا خاں سبحانی میاں ابنِ مولانا مفتی ریحان رضا خاں ریحانی میاں (المتوفّٰی ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء) ابنِ مولانا مفتی محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی (المتوفّٰی ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء) ابنِ مولانا مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی (المتوفّٰی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء) ابنِ امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدثِ بریلوی (المتوفّٰی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کے قائم کردہ مدرسہ "منظرِ اسلام" کے صد سالہ جشن کے موقع پر دنیا بھر میں امام احمد رضا پر تحقیق کرنے والوں کو منظرِ السلام ایوارڈ پیش کیا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کو بھی یہ ایوارڈ پیش کیا گیا۔ یہ ایوارڈز ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے سرپرستِ اعلیٰ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کو، ادارے کے صدر نشین حضرت سید وجاہت رسول قادری صاحب کو اور احقر کو بھی پیش کیے گئے تھے۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی بریلوی، جو ایک کہنہ مشق قلم کار، بلند پایہ محقق، ادیب اور ماہرِ رضویات تھے اور علمی اور دینی حلقوں میں اپنی پہچان رکھتے تھے اور قدر و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے، اچانک قضائے الٰہی سے ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۶ اگست ۲۰۱۱ء انتقال کر گئے۔ خداوند کریم ان کی بخشش و مغفرت فرمائے اور ان کی قلمی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے (آمین)۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب تعلیماتِ رضا کی خدمت انجام دیتے ہوئے امام احمد رضا کے قصیدۂ درودیہ کے اس شعر کے مصداق بن گئے۔

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

مجرباتِ امام احمد رضا

Abstract: Imam Ahmad Raza was not only a genius scholar but also a well-known sufi master. But research on his contribution to Sufism and Spirituality has been limited so far and only a handful of articles have published. More research is needed. This page presents an excerpt from his sufi and spiritual teachings in the form of practices, prayers, amulets etc.

امام احمد رضا ایک عبقری عالم دین ہونے کے ساتھ عظیم روحانی پیشوا بھی تھے۔ تاہم تصوف و روحانیت کے حوالے سے ان کی تعلیمات و خدمات پر اب تک بہت محدود تحقیق ہوئی ہے اور محض چند ہی مضامین اس حوالے سے سامنے آئے ہیں۔ اس موضوع پر کثیر تحقیقی مواد موجود ہے اور ضرورت ہے کہ اسکالرز امام احمد رضا کی حیات کے اس پہلو پر تحقیقات پیش کریں۔ پیشِ نظر سلسلے "مجرباتِ امام احمد رضا" میں امام احمد رضا کی تعلیم کردہ دعائیں، اوراد و وظائف اور نصیحتیں پیش کیے جاتے ہیں۔ (عبید)

مجرب توشہ

لن یصیبنا الّا ماکتب اللہ لنا ھو مولٰینا وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون۔ (القرآن الکریم، ۹ /۵۱) ہمیں نہ پہنچے گی مگر جو ہمارے لیے اللہ نے لکھ دی وہ ہمارا مولیٰ، اور اللہ ہی پر بھروسا کرنا لازم۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل ۔ (القرآن الکریم، ۳ /۱۷۳) اللہ ہمیں کافی ہے اور کیا اچھا بنانے والا۔ اللھم لایاتی بالحسنات الا انت ولا یذھب السیئات الا انت ولاحول ولاقوۃ الّا بك۔ (کنز العمال، حدیث ۲۸۵۸۴، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۰ /۱۱۶) الٰہی! اچھی باتیں کوئی نہیں لاتا تیرے سوا اور بُری باتیں کوئی دور نہیں کرتا تیرے سوا اور کوئی زور طاقت نہیں، مگر تیری طرف سے۔ اللھم لا طیرا لا طیرك ولا خیر الا خیرك ولا الہ غیرك۔ (کنز العمال، حدیث ۲۸۵۸۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۰ /۱۱۵) الٰہی تیری فال فال ہے اور تیری ہی خیر، خیر اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

یہ توشہ نہایت مفید چیز ہے اور حاجتیں بر لانے کے لیے مجرب، ہمارے خاندان کے مشائخ میں اس کی ترکیب یوں ہے: میدہ گندم (۵ مِا)، شکر (۵ مِا)، گھی (۵ مِا) مغز بادام (ا مِا)، پستہ (ا مِا)، کشمکش (ا۔مِا) ناریل (ا مِا) ۔لوگ، دار چینی، چھوٹی الائچی ہر ایک سوا چھٹانک۔

حضور کی نیاز دے کر صالحین کو کھلائے اور اپنے مطلب کی دُعا کرائے۔ اصل وزن یہ ہیں، بقدرِ قدرت ان میں کمی بیشی کا اختیار ہے۔ نصف، چوتھائی، آٹھواں حصہ یا جتنا مقدور ہو کرے وہی اثر دے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀

رضویات پر کام کی اہم خبر

ریسرچ اسکالر مولانا نظام الدین رضوی نے رضویات سے متعلق دو اہم کتب: (۱) **"البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ"** (مصنفۂ علامہ عبدالحکیم شرف قادری) اور (۲) **"شرح سلامِ رضا"** (از مفتی محمد خان قادری) کا بنگالی زبان میں ترجمہ کرلیا ہے۔ انشاء اللہ اگلی سہ ماہی کے اندر امام احمد رضا ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، "ڈھاکہ سے یہ تراجم شائع ہوجائیں گے۔ امام احمد رضا ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ڈھاکہ کے بانی و سرپرستِ اعلیٰ اور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا ٹرسٹ، کراچی کے صدر سید وجاہت رسول قادری و دیگر اراکینِ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا جناب نظام صاحب کو دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان کتب کے فائینانسر جناب حاجی امین (ڈھاکہ)، جناب حاجی حبیب (ایشا گروپ انڈسٹریز، چٹاگانگ) اور جناب عاشق الرحمٰن ہاشمی صاحبان کے شکر گزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

دور و نزدیک سے

قارئینِ معارفِ رضا کے خطوط و ای میل اور خبریں

محمد امجد رضا امجد (قاضی شریعت، مرکزی ادارۂ شرعیہ، بہار پٹنہ)

وجاہت علم و فن حضرت سید صاحب قبلہ! ہدیہ سلام عقیدت

خدائے تعالیٰ آپ کا سایہ شفقت و محبت جملہ اہلِ سنت پر ہمیشہ قائم رکھے۔

آپ کی خیریت سے ہماری خیریتیں وابستہ ہیں۔ ہمیشہ احباب سے جو رضویات سے وابستہ ہیں آپ کی خیریت معلوم کرتا رہتا تھا، ادارۂ تحقیقات سے بھی تعلق قائم رہا؛ آج صحت یابی کی خیریت سے دل کو اطمینان ملا۔ الحمدللہ رب العلمین۔ خدائے تعالیٰ ایسے ہی آپ کو ہر آن صحت مند، توانا، تندرست اور رضویاتی مشن کے فروغ میں مستعد رکھے۔ آمین۔

ہمارے پٹنہ سے "رضا بک ریویو" کے علاوہ ایک رسالہ اور جاری ہوا ہے۔ سہ ماہی "آیات"۔۔۔ دراصل اس کی اشاعت امریکہ سے ایک سال قبل ہونی شروع ہوئی۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے لائق فائق صاحب زادے "مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی" نے اسے جاری کیا مگر ادارت کی ذمّے داری اس خاک سار کے سپرد کی۔ ایک سال بعد جولائی ۲۰۱۱ء سے اس کا انڈین ایڈیشن بھی جاری ہو گیا۔ اب امید ہے یہ پاکستان سے بھی جاری ہو گا۔ چوں کہ دونوں رسالوں کی ذمّے داری میرے ہی سپرد ہے؛ اس لیے ہمیشہ اس کے لیے فکر مند رہتا ہوں۔ اس کا ایک کالم "آپ بیتی" بھی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی بھی آپ بیتی لوگوں کے مطالعے میں آئے۔ ظاہر ہے وہ خاندانی حالات سے لے کر رضویاتی مشن تک کو محیط ہو گا۔ اس حوالے سے بہت ساری باتیں جو مغیبات سے ہیں وہ معلومات کی میز تک آجائیں گی اور وہ اہلِ علم کے لیے بڑی اہم چیز ہو گی۔ اس کے ساتھ رضویات کے تعلق سے ایک سوالنامہ ہم نے مرتب کیا تھا اسے بھی بھیج رہا ہوں اگر ممکن ہو تو اس کا جواب املا کرا دیں۔ یہ ساری گزارشات اس امید پر ہیں کہ صحت اس کی اجازت دے گی۔ اگر امید کے برخلاف کوئی تکلیف مانع ہو تو آرام فرمائیں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ ہم تمام وابستگانِ رضا آپ کی صحتِ کلی کے لیے دعا گو ہیں خدائے تعالیٰ آپ کو شفائے کاملہ عطا فرمائے اور آپ سے خوب خوب دین و سنّت کا کام لے۔ آمین، آمین، آمین!

سفیر اختر (واہ کینٹ، پاکستان)

بخدمت گرامی سر کولیشن منیجر صاحب ماہنامہ "معارفِ رضا" کراچی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

"معارفِ رضا" نظر سے گزرتا ہے، مگر بعض اوقات راستے ہی میں کسی ضرورت مند کے ہتّے چڑھ جاتا ہے، یا مجھ سے کوئی عاریتاً لے جاتا ہے اور یوں فائل ناقص ہو کر رہ جاتی ہے۔ ان دنوں "معارفِ رضا" کی جلد بندی کروا رہا ہوں۔ حسبِ ذیل شمارے کم ہیں برائے کرم بھجوا کر شکریے کا موقع دیجیے:

۱۔ جنوری تا مارچ ۲۰۱۰ء۔ ۲۔ جون ۲۰۱۱ء۔ ۳۔ اگست ۲۰۱۱ء۔ امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔

شبنم گل خانزادہ (مظفر آباد، آزاد کشمیر)

عنوان: اجرائیگی اعزازی نسخہ مجلہ برائے لائبریری۔

معاملہ عنوان الصدر میں آپ کی توجہ اس جانب مبذول کروائی جاتی ہے کہ جس طرح دیگر مجلّات لائبریری ہٰذا میں باقاعدگی سے اعزازی طور پر موصول ہوتے ہیں اسی طرح آپ کے مجلّے کا بھی ایک معیاری، مقبولِ عام اور غیر متنازعہ ہونے کے سبب لائبریری ہٰذا میں موجود ہونا قارئین کے لیے مفید اور انتہائی سود مند ہو سکتا ہے۔

لائبریری ہٰذا آزاد جموں وکشمیر یونیورسٹی کے ایک اہم ترین شعبے کی لائبریری ہے اور طلبہ و طالبات کے علاوہ مختلف ریسرچرز بھی اس لائبریری سے استفادہ کرتے ہیں۔ بلا شبہ آپ کا مجلّہ اس کتب خانہ کے معیار کے شایانِ شان ہے۔

امید ہے آپ اپنی اولین فرصت میں اس مجلّے کی لائبریری کے لیے ترسیل کا اہتمام فرمائیں گے۔

ویب سائٹ کی خبریں

Muhammad Azam Roonjho (Research Library University of Sindh, Jamshoro)

Subject: ACKNOWLEDGEMENT.

I acknowledge with many thanks for sending us copy of your publication Monthly Ma'arif-e-Raza Karachi. (Vol: 31, Issue: 07, July, 2011) for Research library the institute of sindhology, University of Sindh Jamshoro, Sindh, Pakistan.

I hope you will extend your co-operation by sending us your coming publications in future also. Thanks.

گزشتہ ماہ پاکستان،انڈیا، امریکا، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کینیڈا، ماریشس، عمان، جرمنی، فرانس، روس، اسپین، قطر، ڈنمارک، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ، برازیل، چین، آئرلینڈ، نیدرلینڈ، مالدیپ، فلپائن، پولینڈ، سینیگال، ملائشیا، عراق، سائپرس، ایران، بحرین، ترکی، سنگاپور، بنگلہ دیش، سوئزرلینڈ، کویت، ہانگ کانگ، اُردن، کازکستان، سری لنکا، جنوبی کوریا، ناروے اور اٹلی وغیرہ ممالک کے ۱۴۵ سے زائد شہروں سے ایک بڑی تعداد میں قارئین نے ادارے کی ویب سائٹ www.imamahmadraza.net ملاحظہ کی۔

ادارے کی لائبریری میں موصول ہونے والے جرائد

ماہنامہ "دی منارٹ" کراچی (انگریزی)، ماہنامہ "الہام" بہاولپور، ماہنامہ "سوئے حجاز" لاہور، ماہنامہ "مصلح الدین" کراچی، ماہنامہ "زاویہ نگاہ" کراچی، ماہنامہ "آستانہ"، ماہنامہ "نورالحبیب" بصیر پور، ماہنامہ "رضائے مصطفےٰ" گوجرانوالہ، ماہنامہ "اہلسنت" گجرات، ماہنامہ "پیام" اسلام آباد، ماہنامہ "فیض عالم" بہاولپور اور ماہنامہ "تحفظ" کراچی، ماہنامہ "البرھان الحق" واہ کینٹ، ماہنامہ "جہانِ رضا" لاہور، ماہنامہ "عقیدت" حیدرآباد، ماہنامہ "محدث" لاہور، ماہنامہ "النظامیہ" لاہور، ماہنامہ "پیغامِ اہلِ سنّت" فیصل آباد، ماہنامہ "الاشرف" کراچی، ماہنامہ "کاروانِ قمر، کراچی، ماہنامہ "الملنگیہ" اوکاڑہ، ماہنامہ "الاحیاء" لاہور، ماہنامہ "آوازِ حق" پشاور، ماہنامہ "کنزالایمان" دہلی، ماہنامہ "المظہر" کراچی، ماہنامہ "رشد الایمان" سمندری شریف، سہ ماہی "انوارِ رضا" (مولودِ کعبہ نمبر) ۲۰۱۱ء، سہ ماہی "انوارِ رضا" (سفیرِ اسلام نمبر) ۲۰۱۱ء، ماہنامہ "السعید" ملتان، ماہنامہ "جامِ نور" دہلی۔

رضویات کے حوالے سے جرائد ورسائل میں شائع ہونے والے مقالات

(۱) علامہ حسن علی رضوی، "امامِ اہلِ سنّت کے ایام طفولیت و تحصیل علوم" ماہنامہ رُشد الایمان، سمندری شریف، ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص۴تا۷۔

(۲) مفتی اظہر سعید رضوی، "کیا اعلیٰ حضرت متشدد تھے" ماہنامہ رُشد الایمان، سمندری شریف، ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص۸تا۱۰۔

(۳) مولانا آصف رضا قادری، "نائب محدث اعظم کی اعلیٰ حضرت سے عقیدت" ماہنامہ رُشد الایمان، سمندری شریف، ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص۱۱تا۱۳۔

(۴) ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی "امام احمد رضا کے جدید تعلیمی نظریات" ماہنامہ رُشد الایمان، سمندری شریف، ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص ۱۴ تا ۱۸۔

(۵) ڈاکٹر کوثر امام قادری "امام احمد رضا اور خواجہ غریب نواز" ماہنامہ رُشد الایمان، سمندری شریف، ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص ۱۹ تا ۲۳۔

(۶) صادق علی زاہد "مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ردِ قادیانیت" ماہنامہ رُشد الایمان، سمندری شریف، ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص ۲۴ تا ۳۱۔

(۷) پروفیسر کنوّر سلطان احمد "امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا محدثانہ مقام" ماہنامہ رُشد الایمان، سمندری شریف، ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص ۳۲ تا ۳۳۔

(۸) صاحبزادہ فیاض احمد اویسی "رضویات میں حضرت فیض ملت قدس سرہٗ کی خدمات" ماہنامہ رُشد الایمان، سمندری شریف، ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص ۳۴ تا ۳۸۔

(۹) سید خرم ریاض اختر القادری "تعارف امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ" ماہنامہ رُشد الایمان، سمندری شریف، ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص ۳۹ تا ۴۰۔

(۱۰) خلیل احمد رانا "مبلغ اسلام علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قادری" ماہنامہ مصلح الدین، کراچی، نومبر ۲۰۱۱ء، ص ۴۲ تا ۴۶۔

(۱۱) پروفیسر جلال الدین نوری "مفتی سید نعیم الدین مراد آبادی" ماہنامہ مصلح الدین، کراچی، نومبر ۲۰۱۱ء، ص ۳۴ تا ۴۱۔

ادارے میں موصول ہونے والے رسائل و کتب

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف\مرتب\مترجم	صفحات	ناشر
۱	تحفظِ ختمِ نبوت اور شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا کردار	پروفیسر محمد الیاس اعظمی	۱۲۸	نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، لاہور۔
۲	اسرارِ تخلیقِ احمد صلی اللہ علیہ وسلم	میاں فضل احمد حبیبی عظیمی	۸	نور علی نور فاؤنڈیشن، گجرات
۳	نمازِ غوثیہ اور امام احمد رضا	غلام مصطفیٰ رضوی	۱۶	سراجِ ملت فاؤنڈیشن، ممبئی
۴	سالنامہ یادگارِ رضا ۱۴۳۲ھ، ۲۰۱۱ء	مرتب: غلام مصطفیٰ رضوی	۲۰۰	رضا اکیڈمی، ممبئی
۵	عیدوں کی عید	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی	۸	نوری مشن، مالیگاؤں
۶	قائدِ انقلاب علامہ فضلِ حق خیر آبادی	لیسٓ اختر مصباحی	۱۶	نوری مشن، مالیگاؤں
۷	امام احمد رضا اور ڈاکٹر ضیاء الدین احمد	غلام مصطفیٰ رضوی	۲۴	نوری مشن، مالیگاؤں

فہرستِ کتب ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا

نام کتاب	مصنف / مرتب	صفحات	قیمت (روپے)	قیمت (ڈالر)
نزولِ آیاتِ فرقان۔و۔ معین مبین	امام احمد رضا خاں، ترتیب: مولانا محمد حنیف خاں رضوی	104	60/-	4$
مولانا نقی علی خاں۔ حیات وعلمی کارنامے	ڈاکٹر محمد حسن قادری (ڈاکٹریٹ مقالہ)	225	160/-	5$
مکتوباتِ مسعودی	عبد الستار نقشبندی	598	400/-	15$
تذکرۂ اراکینِ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	184	80/-	6$
۲۵ سالہ تاریخ وکارکردگی ادارہ	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	56	25/-	2$
مختصر تعارف، مطبوعات وکارکردگی ادارہ	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	56	25/-	2$
خلفائے محدثِ بریلوی	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	156	100/-	5$
امام احمد رضا کی انشا پردازی	ڈاکٹر غلام غوث قادری	136	100/-	7$
ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا۔ ایک تعارف	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	56	40/-	2$
اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی اور علمائے کوٹلی	پروفیسر مجیب احمد	64	60/-	4$
جدید طریقۂ نعت خوانی تعلیماتِ رضا کی روشنی میں	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	16	20/-	2$
اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	80	50/-	2$
اشاریۂ سالنامہ معارفِ رضا۔ ۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۶ء	مولانا سید صابر حسین شاہ بخاری	64	100/-	2$
رضویات۔ نئے تحقیقی تناظر میں	صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری اور دیگر	160	150/-	10$
اردو نعت گوئی اور فاضلِ بریلوی	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی (ڈاکٹریٹ مقالہ)	680	400/-	15$
دو مجدد اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	96	60/-	3$
لال قلعہ سے لال مسجد تک	صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری	64	50/-	2$
تعلیمی افکارِ رضا پر تحقیق	سلیم اللہ جندران	174	150/-	10$
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد بلوچستان میں	پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر	64	50/-	4$
امام احمد رضا اور علم صوتیات	ڈاکٹر محمد مالک	64	50/-	4$
الامام أحمد رضا خان وأثرہ فی الفقہ الحنفی	علامہ مشتاق احمد شاہ الأزہری	400	500/-	18$
النثر الفنی	قاضی السید عتیق الرحمن شاہ بخاری	165	250/-	8$
ثلاث رسائل فی التکافل الاجتماع	امام احمد رضا خاں: ترجمہ: الشیخ انوار احمد البغدادی	150	150/-	5$
حیاۃ الامام أحمد رضا	محمد اسلم رضا	55	70/-	7$
EMBRYOLOGY	Ahmad Raza, Transltion: Khursheed Ahmed	55	48/-	4$
Hussam-Ul-Haramain	Ahmad Raza, Transltion: Bashir Hussain	155	100/-	5$

معارفِ رضا سالنامہ و مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی

نام کتاب	مدیرِ اعلیٰ / مدیر	صفحات	قیمت (روپے)	قیمت (ڈالر)
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) 2005ء	سیّد وجاہت رسول قادری، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	380	200/-	8$
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) 2006ء	سیّد وجاہت رسول قادری، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	255	150/-	6$
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) 2007ء	سیّد وجاہت رسول قادری، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	290	180/-	7$
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) 2009ء	سیّد وجاہت رسول قادری، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	380	250/-	10$
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) 2010ء	سیّد وجاہت رسول قادری، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	390	350/-	13$
معارفِ رضا سالنامہ (عربی) 2005ء	سیّد وجاہت رسول قادری، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	230	150/-	6$
معارفِ رضا سالنامہ (عربی) 2007ء	سیّد وجاہت رسول قادری، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	88	150/-	6$
معارفِ رضا سالنامہ (عربی) 2008ء	صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری	160	150/-	6$
Marif-e-Raza (English) 2009	Syed Wajahat Rasool Qadri, Prof. Dr. Majeed Ullaha Qadri	144	150/-	6$
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس 2005ء	سیّد وجاہت رسول قادری، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	72	50/-	2$
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس 2007ء	سیّد وجاہت رسول قادری، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	98	50/-	2$
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس 2008ء	سیّد وجاہت رسول قادری، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	96	50/-	2$
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس 2010ء	سیّد وجاہت رسول قادری، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	40	50/-	2$
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس 2011ء	سیّد وجاہت رسول قادری، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	40	50/-	2$